t s r q ، ¶ µ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 7	شمارہ 12	صفر 1435ھ	دسمبر 2013ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ النبا	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	خلافت راشدہ کے معاشرتی احسانات	ڈاکٹر مستفیض احمد علوی	13
5	اقبال اور دانش حاضر	ڈاکٹر طالب حسین سیال	29
6	احیائے سنت نبوی ﷺ	ضمیر اختر خان	41
7	ہمارے گھر، ہمارے تعلیمی ادارے.....	عبدالرشید ارشد	46
8	حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت پر تأثرات		52
9	شیخ اکبر m کی ایک اہم تالیف.....		59

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورۃ النبا 78، آیات 01-16﴾

سورۃ النبا میں قیامت اور آخرت کا اثبات اور اس کو ماننے اور نہ ماننے والوں کے نتائج سے لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے۔ (جب نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز فرمایا تو مکہ کے لوگوں نے خاص طور پر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے بیان پر سب سے زیادہ حیرانی اور تعجب کا اظہار کیا اور اسے بعید از امکان سمجھ کر جگہ جگہ اس کے ناقابل یقین ہونے کے چرچے اور چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ لیکن اسلام لوگوں کو جس راہ پر چلانا چاہتا ہے اس کے لیے آخرت کا عقیدہ ان کے ذہن میں اُتارنا لازمی تھا۔ اسی لیے ابتدائی زمانہ کی سورتوں میں آخرت کا یقین دلوں میں بٹھانے پر بہت زور دیا گیا ہے) اس سورت میں لوگوں کی چہ میگوئیوں کی طرف اشارہ کرنے کے بعد پہلے قیامت کے اثبات پر دلائل دیے گئے ہیں جن سے عقیدۂ توحید کا بھی اثبات ہوتا ہے، اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ فیصلے کا وہ دن اپنے مقررہ وقت پر آ کر ہی رہے گا۔ جو لوگ اس کو جھٹلاتے ہیں ان کے لیے جہنم تیار ہے جہاں انہیں ان کی سرکشی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جن خوش نصیب لوگوں نے اپنی آخرت سنوارنے کے لیے دنیا میں پرہیزگاری کی روش اختیار کی تھی ان کو پروردگار کی طرف سے ان کے نیک اعمال کے بہترین اجر سے زیادہ انعام بھی دیا جائے گا۔ سورت کے آخر میں اس روزِ جزا کا ایک نقشہ کھینچا گیا ہے کہ روح الامین اور تمام فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے کوئی بھی بات تک نہیں کر سکے گا اِلا یہ کہ رحمٰن کسی کو بات کرنے کی اجازت دے اور وہ درست بات کہے۔ اس دن ہر شخص اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو دیکھے گا اور کافروں کے پلّے حسرت کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ O عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ O

(یہ) لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں؟ (کیا) بڑی خبر کی نسبت؟

الَّذِیْ ھُمْ فِیْہِ مُخْتَلِفُوْنَ O

جس میں یہ اختلاف کررہے ہیں

کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ O ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ O

دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِھٰدًا O وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا O

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں (نہیں ٹھہرایا؟)

وَّخَلَقْنٰکُمْ اَزْوَاجًا O

اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا

وَّجَعَلْنَا نَوْمَکُمْ سُبَاتًا O

اور ہم نے نیند کو تمہارے لئے (موجب) آرام بنایا

وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا O وَّجَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا O

اور ہم نے رات کو پردہ مقرر کیا اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا

وَّ بَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا O وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّھَّاجًا O

اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے

اور (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا O

اور نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا

لِّنُخْرِجَ بِہٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا O وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا O

تاکہ ہم پیدا کریں اس سے اناج اور سبزہ اور گھنے گھنے باغ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِتَّقُوا اللّٰہَ وَ اعْدِلُوْا فِیْ اَوْلَادِکُمْ

''اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو''

(طبرانی،عن نعمان بن بشیر h)

اِتَّقُوا اللّٰہَ	''اللہ سے ڈرو،
وَ صَلُّوا خَمْسَکُمْ	اور پانچوں وقت نماز پڑھو
وَ صُوْمُوا شَھْرَکُمْ	اور رمضان المبارک کے روزے رکھو
وَ أَدُّوا زَکَاۃَ أَمْوَالِکُمْ	اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو
طَیِّبَۃً بِھا أَنْفُسُکُمْ	اپنی خوشی سے
و أَطِیعُوا ذَا أَمْرِکُمْ	اور اپنے امیر کی اطاعت کرو
تَدْخُلوا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ	اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ''

(ترمذی،عن ابی امامہ h)

الجَامِعُ الصَّغِیْر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمه الله

ملالہ یوسف زئی پر 'مغربی دنیا کی نوازشات' نے عصر حاضر کی جدید اہل علم و دانش شہرت یافتہ شخصیات (CELEBRITIES) کی عظمت کو خاک میں ملا دیا ہے

انجینئر مختار فاروقی

● انسان کو سماعت و بصارت اور قوتِ ادراک سے نوازا گیا ہے اور عصر حاضر میں معلومات اور 'خبر' کا تبادلہ بہت تیز رفتار ہو گیا ہے جس سے کوئی بھی باشعور انسان مثبت یا منفی طور پر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک صدی قبل کوئی اہم خبر جب تک دور دراز کے علاقوں تک پہنچتی تھی تو اس وقت تک اس 'خبر' کے ساتھ منسلک بہت سے شواہد ختم ہو چکے ہوتے تھے اور انسان کو تحقیق و جستجو کے لئے مواقع بھی کم میسر تھے اور شواہد تک رسائی بہت دشوار بھی تھی، بلکہ اکثر اوقات ناممکن بھی تھی۔ ان حالات میں انسان کی خاموشی بھی اس 'خبر' کی تصدیق بن جاتی تھی اور حقائق پر پردہ پڑا رہتا تھا۔ جبکہ آج کی دنیا میں انٹرنیٹ، ای میل، موبائل فون اور SMS سروس نے خبروں کی ترسیل اور معلومات تک رسائی میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا ہے جس کا مشاہدہ آج کا عام آدمی بھی کر رہا ہے موبائل فون کے استعمال سے عوام تک کی زندگی میں بھی بہت تبدیلی آ گئی ہے۔

● ملالہ یوسف زئی کا نام آج میڈیا اور اخبارات کا موضوع ہے اور عالمی میڈیا بھی اس کو بہت اہمیت دے رہا ہے۔ ملالہ یوسف زئی سوات کے گھرانہ سے اُٹھ کر عالمی سطح کی شہرت یافتہ لڑکی کیسے بن گئی؟ یہ ایک اہم بات ہے ملالہ یوسف زئی کا تعلق چونکہ پاکستان سے ہے اور غالب امکان ہے کہ مسلمان بھی ہے (اس لئے کہ انٹرنیٹ پر اس کے بارے میں دوسری رائے بھی موجود ہے جیسے کہ مولانا محمود الرشید حدوٹی صاحب مدیر آبِ حیات نے اِسے موضوعِ بحث بھی بنایا ہے)

اس کی عزت وشہرت خواہی نخواہی پاکستان کی عزت وشہرت سے منسلک ہوجاتی ہے۔لہٰذا پاکستان کے تمام شہری اسی طرح اس واقعہ سے منسلک ہوجاتے ہیں جیسے کہ کرکٹ ٹیم کے ایک چھوٹے سے گروپ کی اچھائی یا برائی اور 'جیت یا ہار' اب صرف کھیل کے میدان تک محدود نہیں رہتی بلکہ پورے ملک کی 'عزت وذلت' کا مسئلہ بن جاتا ہے۔

ملالہ یوسف زئی کا معاملہ بھی اسی طرح ہم سب کا 'مسئلہ' بن گیا ہے اور اس کے بارے میں سوچ بچار کرنا اور اس کے نتائج اور عواقب تک پہنچنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔

● کسی ایک مختصر سی تحریر میں اس عالمی سطح پر اُبھرنے والے 'واقعہ' کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کا کام نہ ممکن ہے اور نہ ہی ضروری، پھر عالمی اہمیت اختیار کرجانے والا واقعہ کثیرالجہت (MULTIDIMENTIONAL) بن جاتا ہے۔جس وجہ سے کسی ایک شخص کا اس واقعہ کے تمام ممکنہ پہلوؤں کا احاطہ انسانی بساط سے باہر ہے۔اس تحریر کے ذریعے ہم اس واقعہ کے صرف ایک ہی اہم پہلو پر روشنی ڈالیں گے تاکہ پاکستان کا ہر شہری بالخصوص اور مغربی دنیا کے باشعور اہل علم ودانش بالعموم اس پر مزید غور وفکر کرسکیں۔

● میری عمر اس وقت 63 سال ہے (پیدائش ستمبر 1950ء) اور ہائی سکول کے دور میں یا کالج ویونیورسٹی کی تعلیم کے دوران ہم مغربی دنیا کے عظیم سائنسدانوں، ادیبوں، شاعروں، ماہرین معاشیات اور دیگر شہرت یافتہ شخصیات کی عظمت سے مسحور رہتے تھے اور ان کا تذکرہ زمین پر بیٹھ کر آسمان کی کسی مخلوق کا تذکرہ کرنے کے برابر گردانتے تھے۔

مغربی دنیا کے اہل علم ودانش اپنی جگہ، جنوبی ایشیا کے مفکّرین اور ڈاکٹریٹ کے حامل افراد بھی (ان میں سے بعض غیر مسلم سہی) علمی سطح پر آسمان کے ستاروں کی طرح سمجھتے تھے۔علم اور تحقیق کے میدان میں سائنسدانوں کی مساعی بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ مجھ سمیت دیگر طلبہ اور اساتذہ سب ایسے افراد کی علمی عظمت کے معترف رہتے تھے۔اس پر مستزاد نوبل انعام یافتہ شخصیات کے تو کیا کہنے، کلاس روم ہو یا لائبریری، کیفے ٹیریا ہو یا کسی فارغ پیریڈ کے فرصت کے لمحات ان حضرات کو عزت واحترام کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا۔رابندرناتھ ٹائیگور اور ڈاکٹر عبدالسلام (قادیانی) غیر مسلم سہی مگر علمی برتری مسلّم سمجھی جاتی تھی۔ یہ تو راقم نے ذاتی

احساسات قلم بند کیے ہیں۔ علمی دنیا اور کالج و یونیورسٹیوں میں آج بھی اسی طرزِ فکر کا غلبہ ہے۔

اس پر مزید اضافہ یہ ہے کہ مغربی دنیا میں بعض افراد کو 'اعزازی ڈگری' سے سرفراز کرنے کی روایت ہے اس طرح ہماری یونیورسٹیوں میں بھی کسی معروف شخصیت کی علمی کاوشوں یا کسی خاص شعبۂ زندگی میں اعلیٰ خدمات پر اعزازی ڈگری کی روایت موجود ہے۔ بعض صورتوں میں کسی بڑی شخصیت کا اعزازی ڈگری وصول کر لینا ـــــ اس ادارے کے لئے عظمت اور علمی خدمت کا نشان بن جاتا ہے۔

اہل علم و دانش کے ہاں یہی تأثر آج بھی عام ہے اور ع ''او گرامی تر است کو دانا ست'' کے مصداق علم فراست کی عظمت کا اعتراف بھی ہے اور ایسا ہونا ہی قرین اخلاق ہے۔

مغربی دنیا کی عسکری، اقتصادی، سائنسی برتری کے ساتھ ساتھ اس علمی برتری کا سحر بھی پچھلی دو صدیوں سے قائم تھا۔ اہل مغرب کے 'انداز نرالے' اور 'مزاج تاجرانہ' تو ہے ہی جس کا رونا ہمارے علامہ اقبال نے ایک صدی پہلے مشاہدہ کر کے رویا تھا تاہم یہ بات اعلیٰ علمی حلقوں تک ہی محدود تھی۔ تیسری دنیا کی عوام مغربی دنیا کے علمی کام اور علمی برتری کے آج بھی گن گاتی نظر آتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ مغرب کے تاجرانہ مزاج اور علمی دنیا میں بھی مغربی (اور در پردہ صہیونی) مقاصد اور اعزازات و نوازشات کی آڑ میں شخصیات کو 'خرید' لینے کی حقیقت واضح ہوتی چلی گئی اور اب مغرب میں بھی اس پر آواز اُٹھائی جانے لگی ہے اور ہمارے ہاں بھی یہ شعور بیدار ہو رہا ہے۔

● ان حالات میں 'ملالہ یوسف زئی' کا واقعہ درپیش ہوا، اکتوبر 2012ء میں سوات میں دیگر طالبات کے ساتھ اس پر حملہ ہوا، کئی طالبات زخمی ہوئیں مگر ـــــ 'قرعۂ فال' صرف ملالہ کے نام نکلا اور اُسے اہل مغرب اُچک کر یورپ لے گئے، خصوصی علاج ہوا، سولہ سال کی یہ بچی (پیدائش 1997ء) خصوصی نگرانی میں زیر علاج رہ کر صحت یاب ہوئی تو اس کی دنیا بدل چکی تھی۔ وہ دن اور آج کا دن اس نوعمر بچی پر مغرب میں اعزازات اور نوازشات کی بارش ہو رہی ہے۔ تعلیمی ادارے یونیورسٹیاں حتیٰ کہ عالمی ادارہ UNO بھی اس بچی کی خدمات پر رطب اللسان ہے۔ اس کی ایک کتاب "I AM MLALA" بھی مغرب میں ہی شائع ہو چکی ہے۔ (اگرچہ اس کتاب کا شاید ایک صفحہ بھی وہ بچی ڈھنگ سے پڑھ کر وضاحت نہ کر سکے)

اس پر مستزاد یہ ہے کہ اس بچی کو مغرب نے نوبل پرائز 2013ء کے لئے لائن میں لگا دیا ہے اور اُمیدوار بنا دیا ہے آج نہیں تو کل اُسے اس اعزاز سے بھی سرفراز کر دیا جائے گا اور ابھی نوازشات کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

● اہل علم و دانش میں سے جو مغرب کے رنگ میں پختہ ہیں وہ تو خاموش ہیں اور ان کی خاموشی شاید اس بات کی گواہی ہے کہ یہی کچھ ان کے ساتھ بھی 'باندازِ دگر' گزر چکا ہے مگر باقی دنیا حیران و ششدر ہے کہ آخر اس بچی کی کونسی علمی، سائنسی، اصلاحی اور سماجی خدمات ہیں جس کے عوض اس پر اہل مغرب یوں اعزازات نچھاور کر رہے ہیں اور جاں نثاری کر رہے ہیں؟ اس بچی سے کہیں زیادہ بڑے 'خادم خلق' سماجی کارکن، اہل علم، اہل تحقیق اور معاشی ماہرین دنیا میں موجود ہیں مگر ــــــ زہے نصیب کہ یہ بچی اور اس کی 'خدمات' (جو ابھی نادیدہ ہیں) مغرب کو ایسی راس آ گئی ہیں کہ ان کا الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

● ملالہ یوسف زئی کے علمی اعزازات کے ساتھ ساتھ امریکی، برطانوی اور دیگر پوری ممالک کی اعلیٰ قیادتیں اور عالمی ادارے جس طرح اس کو عزت دے رہے ہیں وہ بھی ایک انوکھا اور حیران کن طرزِ عمل ہے۔

ہمارے ملک میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو امریکی اور یورپی ترقی کے پیش نظر وہاں کی سہولتوں، لائف سٹائل اور مغربی شہرت یافتہ شخصیات اور سیاسی قائدین سے بے حد متاثر ہیں۔ ہمارے ہی ایک جاننے والے دوست کے ڈرائنگ میں آج سے چالیس سال پہلے بھی امریکی صدر کے ساتھ ایک ڈنر (DINNER) میں شرکت کے موقع پر گفتگو کرتے ہوئے فوٹو گراف آویزاں تھے اور وہ ان کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے اور آج بھی کتنے ہی افراد ہوں گے جو امریکی صدر کے ساتھ فوٹو سیشن کرنے کے لئے ہزاروں لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کو تیار ہیں۔ اس کے برعکس ملالہ یوسف زئی کی ملاقات صدر امریکہ اوبامہ کے ساتھ اور ملکہ برطانیہ کے ساتھ سوچنے کی بات ہے کہ اہل مغرب ایک اور 'دخترِ مشرق' کے ساتھ یہ نرالہ سلوک کیوں اپنائے ہوئے ہیں۔

● 'ملالہ یوسف زئی' کے اس واقعہ کو صرف ایک 'فرد' کی کہانی اور اہل مغرب کی کسی منفرد کارروائی پر محمول نہیں کرنا چاہئے ہمارے نزدیک 'ملالہ یوسف زئی' کے ساتھ مغرب میں روا رکھا

جانے والا یہ سلوک 'ایک نظریاتی اُصول' ہے جو مغرب نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اپنا رکھا ہے۔ عام آدمی کے نزدیک تو ملالہ یوسف زئی کے لئے اعزازات اور نوازشات کی یہ بارش صرف اس بچی کے لئے نہیں بلکہ پورے ملک پاکستان کا اعزاز ہے بلکہ عالم اسلام کے لئے باعث فخر سمجھتے ہوں گے یا عام لوگ تیسری دنیا کے غیر ترقی یافتہ عوام کی خوش قسمتی کا نشان بھی گردانتے ہوں تو کوئی عجب نہیں ہے۔ مگر اہل علم کے لئے معاملہ بالکل مختلف اور پریشان کن ہے۔

● حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ چند ماہ سے ملالہ یوسف زئی کے لیے اعزازات کی یہ اطلاعات مسلسل آرہی ہیں تو ہماری پریشانی اور اضطراب میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس عمل (PHENOMENON) سے ہمارے ذہن میں اپنے ملک پاکستان کے اندر اور عالمی سطح کے اعزازات یافتہ، نوبل پرائز یافتہ اور مغرب سے اعلیٰ علمی ڈگریوں کے حامل افراد کی عظمت کے جو نقوش تھے اور علمی برتری کے جو اثرات تھے وہ سب کے سب مٹتے جا رہے ہیں اور بعض بڑی شخصیات کی عظمت کے اپنے ذہن میں جو 'تاج محل' بنائے ہوئے تھے وہ سب کے سب آہستہ آہستہ شکست وریخت کا شکار ہو رہے ہیں۔

'ملالہ یوسف زئی' کے ساتھ مغرب کے اس رویّہ نے پاکستان کے اہل علم وفضل اور مغربی اعزازات کے حامل افراد کی عظمت پر بھی یقینی طور پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

عظمت پر سوالیہ نشان کے علاوہ یہ بات ان کی اہلیت وقابلیت پر بھی بہت بڑا دھبہ ہے۔ ملالہ یوسف زئی کے اعزازات نے علمی دنیا کے اعزاز یافتگان کا بھرم کھول دیا ہے اور علمی برتری کا بھانڈا عین چوراہے میں لاکر پھوڑ دیا ہے اور مغرب کی ترقی اور برتری کے حق میں ان کا رطب اللسان رہنا ہمیں آج 'ملالہ یوسف زئی' کے بچگانہ بیانات جیسا ہی نظر آ رہا ہے۔

● ہمارے نزدیک 'ملالہ یوسف زئی' PHENOMENON نے فلاں مغربی یونیورسٹی کے PH.D اور فلاں مغربی یونیورسٹی سے فلاں سند اور فلاں سوسائٹی کی ممبرشپ اور اقوامِ متحدہ کے اعزازی مشیر اور نمائندگان اور عالمی سطح پر نوبل انعام یافتہ حضرات کی حقیقی قابلیت اور (QUALIFICATIONS) پر نہ صرف بہت بڑا سوالیہ نشان لگا دیا ہے، بلکہ یہ حضرات اب تیسری دنیا اور ترقی پذیر ممالک (جیسے پاکستان وغیرہ) میں اعلیٰ علمی مناصب پر فائز رہ کر مزید جن

نئے آنے والے نوجوان طلبہ کی تربیت کر کے اُن کو اعلیٰ اعزازات دلوا رہے ہیں، ان کی حقیقت اور آگے بڑھنے کی 'قابلیت' بھی عیاں ہوگئی ہے۔ یہ باتیں چہ میگوئیوں اور ہلکے پھلکے انداز میں تو پہلے ہی ہمارے معاشرے میں زیرِ گفتگو رہتی تھیں جیسے فلاں طالب علم اتنا لائق تو نہیں تھا اس کا ڈاکٹریٹ کا تھیسس (THESIS) جلدی کیسے منظور ہوگیا؟ فلاں اتنا اہل تو نہیں مگر اعلیٰ عہدے کے لئے کیسے SELECT ہوگیا؟ فلاں کسی کارپوریشن کے چیئرمین کیسے بن گئے؟ ہمارے نزدیک ان سوالات کے جوابات اب آسان ہوگئے ہیں 'ملالہ یوسف زئی' کی طرح۔

- 'I AM MLALA' نامی کتاب اگر پندرہ سولہ سال کی بچی نے نہیں لکھی تو کس نے لکھی ہے؟ کس نے لکھوائی ہے اور عالمی سطح کے پریس نے بغیر تحقیق کیسے شائع کر دی ہے؟ اس کے پیچھے کون کون سی ایجنسیاں اور عوامل کارفرما ہیں؟ یہ عوامل اور ایجنسیاں پہلے اس طرح کے کتنے کام کر چکی ہیں اور کیا یہ عوامل اور ایجنسیاں اب 'ملالہ یوسف زئی' کے بعد ختم ہوگئی ہیں اور کتنے 'قابل رحم' اُمیدواران ابھی لائن میں لگ کر انتظار کر رہے ہیں۔ 'I AM MLALA' طرح کی کتنی اور کتابیں ابھی تیاری کے مرحلہ میں ہیں اور کس کس نااہل کی 'دست گیری' کر کے 'کہاں پہنچانا' UNDER DISCUSSION ہے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات بڑے اہم ہیں اور ہمارے نزدیک ان پر غور و فکر کرنا بہت ضروری ہے۔

☆ اسی پر قیاس کر کے ماضی پر ایک نگاہ ڈال لیجیے کہ نظریۂ اضافت (THEORY OF RELATIUTY) کیا واقعی آئن سٹائن کا تھا؟ کیا امریکہ واقعی کولمبس نے دریافت کیا تھا؟ جب کولمبس امریکہ گیا تو کیا وہاں پہلے لوگ (بالخصوص مسلمان) آباد نہیں تھے؟ حرکت کے قوانین کس نے دریافت کیے؟ گھڑی کس نے ایجاد کی؟ 'فضا میں اُڑنا' اور ہوائی جہاز کی ایجاد کے سفر کی حقیقت کیا ہے؟ 1969ء میں امریکہ کے چاند پر قدم رکھنے والے واقعے کی حقیقت کیا ہے؟ نائن الیون کے واقعے کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کے اصل مجرم کون ہیں؟ یہ اور اس طرح کے سینکڑوں بنیادی سوالات کا ایک ہی جواب ہے کہ 'ملالہ کی طرح' اور "I AM MLALA" کی طرح۔

- آج کے دور میں صحافی، صحافت اور پرنٹ میڈیا کی اہمیت مسلّم ہے اس کے ساتھ

الیکٹرانک میڈیا کے بحث ومباحثہ کے ہرفورم پر 'اینکر پرسن' کی بھی بڑی اہم حیثیت ہے؟ یہ ذمہ داری اب پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا پر آپڑی ہے کہ جہاں وہ مغربی بالادستی کے 'سحر' میں گرفتار ہوکر 'ملالہ یوسف زئی' کو کوریج دے رہے ہیں وہاں اس بحث سے اُٹھنے والے سوالات کے جوابات بھی عوام کو فراہم کریں۔

ایسی ہی ذمہ داری ہمارے ملک کے ELITE طبقہ اور یونیورسٹیوں میں بیٹھے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی بھی ہے کہ وہ MLALA PHENOMENON کو تفصیل سے واضح فرمائیں اور اپنی ذمہ داری نبھائیں ورنہ ـــــ بصورتِ خاموشی MLALA PHENOMENON سے اُٹھنے والے سارے خدشات سچ بھی سمجھے جائیں گے اوران کی عزت وشہرت بھی خاک میں مل جائے گی۔

'ضمیر' اور 'CONSCIENCE' نام کی کوئی چیز اگر ہمارے سینے میں باقی ہے تو مجھے یقین ہے کہ ہمارے معاشرے اور ہمارے ہی ملک سے ایسے لوگ نکلیں گے جو مغربی تہذیب، مغربی افکاراوراس کے پیچھے نادیدہ قوت صہیونیت کے مقاصداورطریق کارکوواضح کرکے اس فرض کوادا کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

● بحیثیت مسلمان 'ملالہ یوسف زئی' نامی لڑکی سے ہمیں ہمدردی ہے جہاں ہم 'عافیہ صدیقی' کے لئے غمگین ہیں وہاں ایک دوسری مسلم خاتون ملالہ یوسف زئی کا یوں مغربی بے حیا(MORALLESS) اور بے شرم (VALUELESS) معاشرے کے کارپردازوں کے ہتھے چڑھ جانے کا غم بھی اُٹھالیں گے اور مغربی زوال اور اُمت مسلمہ کی بیداری وغلبہ اسلام تک اس قسم کے مزید 'زخم' اور 'غم' بھی سہتے رہیں گے جب تک کوئی محمد بن قاسم m (یا کوئی طارق بن زیاد m) بن کرنہیں اُٹھتا اوراپنا فرض ادانہیں کردیتا۔

اے اللہ! توایسا جلدفرمادے۔آمین

حالیہ مغربی تہذیب پر

خلافت راشدہ کے معاشرتی احسانات

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

(بشکریہ ماہنامہ الجامعہ، اکتوبر 2013ء)

قرونِ وسطی کے سماجی و معاشرتی حالات کا مطالعہ یہ بات واضح کرتا ہے کہ انسانی معاشرت گوناں گوں مسائل سے دوچار تھی۔ بطور خاص، سلطنت روم اور اس کے زیر اقتدار ریاستیں، ایک سماجی بحران کا شکار ہیں۔ اس وقت کے سماج کا بنظر عمیق جائزہ لیں تو ثقافت بے رنگ، فکر پریشان اور تہذیب بنجر دکھائی دیتی ہے۔ جہاں انسان اپنے مقام سے بے خبر، حقوق سے ناآشنا، شعوری زندگی کے لطف اور انفرادی آزادی کے جمال و کمال سے محروم نظر آتا ہے۔ اسی بنیاد پر خود مغرب کا مؤرّخ اس دور کو، دورِ ظلمت (DARK AGES) کا نام دیتا ہے۔

ایسے میں سرزمین عرب کی خلافت اسلامیہ ایک نئی انسانی تہذیب کی بنیادیں رکھ رہی تھی جو آگے چل کر علمی و سائنسی کارناموں سے بھرپور، حریت فکر اور آزادی اظہار کی علمبردار، ایک خوشحال و خوشگوار تمدن میں ڈھل گئی۔ ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک سیاسی حاکمیّت نے اسے منظّم کیے رکھا اور پھر وہ رہتی دنیا تک کے لئے مثالی تہذیب کے طور پر انسانوں کی زندگی میں رچ بس گئی اور آنے والی صدیوں کے لئے ایک نئے انسان نے جنم لیا جو نئے شعور، آزاد فکر اور تسخیر کائنات کی تحریک کا سرگرم کارکن بن کے اُبھرا۔۔۔ خود مغرب کے مصنف اس حقیقت کا برملا اظہار، کھلے الفاظ میں کرتے ہیں کہ اسلام نے خطہ عرب کے ذریعے دنیا کو لازوال انسانی خزانوں سے مالا مال کر دیا۔

انسان کی اس پرواز کے پس منظر میں خلافت راشدہ کا بنیادی کردار ہے جس کو کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔ انسانی تاریخ کے اس قابل فخر دور میں انسان کو نہ صرف مقامِ انسانیت کا شعور عطا کیا گیا بلکہ اسے اس مقام کے تحفظ کے اصول بھی بتائے گئے اور خلافت کا نظام تحت اس کے اس مقام کو بھرپور تحفظ دے دیا گیا۔ انسان کو تمدنی فرائض کی ادائیگی میں اس طرح مگن کیا گیا کہ معاشرے کے حقوق کو دبخود ادا ہونے لگے۔ حقوق وفرائض کے اس توازن نے رہتی دنیا تک کے لئے اصول واقدار کا مینارہ نور قائم کر دیا جس کی ایک مختصر سی جھلک ہم تاریخ کے جھروکوں سے درج ذیل عنوانات سے دیکھ سکتے ہیں۔

مقامِ انسانی کا شعور اور اس کا تحفظ

قرآن وسنت کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق انسان کا اس دنیا میں مقام اور حیثیت یہ ہے کہ وہ خالق کائنات کا نائب، نمائندہ، امین عبد اور اس کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس مقامِ انسانی کا سیاسی پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے خدا کے عطا کردہ اختیارات، جوابدہی کے احساس کے ساتھ اور نیابتِ الٰہی کے مرتبہ عالی کے مطابق استعمال کرے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسانی سماج میں ریاست وحاکمیّت کا ادارہ، افراد معاشرہ کی نگرانی کرے مگر اسے ضروری مواقع اور وسائل بھی مہیا کرے۔ سماجی نظام فرد کی تربیت یوں کرے کہ وہ دیگر انسانوں کے حوالے سے ایک محتاط اور مفید طرز زندگی اپنائے تاکہ اجتماعی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی عام نہ ہو۔ عدل اور خیر خواہی، اس کے مزاج کا مستقل حصہ بن جائیں۔ اس طرح وہ ایک مفید اور فیض رساں شہری بن سکے گا۔ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد کو ایسے مواقع مہیا کرے جن سے ایسا طریق زندگی رواج پا سکے اور خلاف ورزی کی صورت میں اس احتساب عمل میں آجائے۔

خلافت اسلامی نے مقامِ انسانیت کا شعور عام کرنے اور اس مقام کا تحفظ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ خلفائے راشدین کا اپنی اطاعت کو خدا اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کے ساتھ مشروط کرنا دراصل اسی سلسلہ کی بنیاد کڑی ہے۔ اس شرط کے بغیر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے پر حکمرانی کرے، ہر فرد اپنی حیثیت میں آزاد اور محترم ہے۔ اس مقامِ انسانی کا تصور اور تحفظ خلیفہ اوّل نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں یوں واضح کیا کہ:

''تمہارے درمیان جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق اسے دلوا دوں، اگر خدا چاہے اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول کرلوں''۔

گویا ریاست اسلامی میں کسی فرد کا مقام حقوق وفرائض کی ادائیگی کی بنیاد پر متعین ہوتا ہے اور خلافت کا ادارہ ہر دو صورتوں میں اس کے اصل مقام کا خیال رکھے گا۔ دوسری طرف یہ حق حکمرانوں کو بھی کسی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے تحت رہنے والے افراد معاشرہ کے ساتھ ان کے مقام سے گرا ہوا سلوک کریں۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق h نے اپنے عمال کے نام ہدایت نامے میں اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ تم عوام کے بالوں اور ان کی کھالوں کے مالک نہ بن جاؤ۔

اسی طرح حضرت عثمان غنی h نے اپنی تقریر میں عوام الناس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: یہ ضروری ہے کہ میں تم سے اپنے ہاتھ روکے رکھوں گا جب تک تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرنا قانون کی رو سے واجب نہ ہو جائے۔

بطور انسان کے جو تقدس ہر آدمی کے ساتھ وابستہ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر فرد قانون کی نظر میں ریاست کے اندر برابر اور مساوی حقوق رکھتا ہے۔ ایک سردار اور رعایا کے درمیان آئینی حقوق کے لحاظ سے فرق اور امتیاز رکھنے سے غیر متوازن معاشرہ تخلیق پاتا ہے۔ اسی اصول کے تحت ہم دیکھتے ہیں تمیز بندہ وآقا کی خلیج، خلافت راشدہ کے دور میں کہیں نظر میں آتی۔ حضرت علی h کا، ان کی زِرہ چوری کرنے والے غیر مسلم کے ساتھ رویہ، اس سلسلہ کے ایک عمدہ مثال ہے۔ آپ نے اپنی سرکاری حیثیت کو استعمال کرتے ہوئے اپنی زرہ قبضہ میں نہیں لی بلکہ عدالت میں استغاثہ دائر کیا۔ قاضی نے جو کہ اسی خلافت کے نظام کا محافظ ہے، گواہ طلب کیے۔ آپ پیش نہ کر سکے تو فیصلہ خلیفہ وقت کے خلاف ہوا۔ آفرین انسانی حقوق کے اس علمبردار پر کہ جب فیصلہ ہو گیا تو ملزم، عیسائی نے حقیقت تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ زرہ واقعی آپ کی ہے، واپس لے لیں مگر آپ نے انکار کیا اور کہا کہ اب آپ کی ہے۔

ایک اور مثال دیکھئے، ریاست غسان کا فرمانروا (جبلہ بن ایہم) جو اسلام قبول کرنے

کے بعد ایک دفعہ طوافِ کعبہ میں مصروف تھا کہ ایک بدو کا پاؤں اس کی چادر پر آ گیا۔ سردار نے بدو کو طمانچہ دے مارا۔ بدو نے فوراً بدلہ چکا دیا تو جبلہ نے حضرت عمر h کو شکایت کی اور بتایا کہ ہمارے ہاں اگر کوئی ایسی گستاخی کرے تو ہم اسے قتل کر دیتے ہیں۔ حضرت عمر h نے اسے جواب دیا کہ اسلام نے اعلیٰ وادنیٰ درجوں کو قانون کی نظر میں ایک کر دیا ہے۔

لہٰذا کسی کو سردار ہونے کی وجہ سے یہ حق نہیں پہنچ جاتا کہ وہ دوسروں کو اپنی ملکیت سمجھ کر تصرف میں لے آئے یا کمتر اور گھٹیا سمجھ کر ان کے حقوق پہ ڈاکہ ڈالے۔ قانونِ اسلامی ہر ایک کو مقدس ومحترم قرار دیتا ہے، جب تک وہ کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس کی حیثیت اور مال اسے سزا سے نہیں بچا سکتا بے شک گورنر وخلیفہ ہی کیوں نہ ہو!

حقوق انسانی کی ادائیگی اور حفاظت

اسلامی ریاست میں شہری دو طرح کے تھے ایک مسلمان اور دوسرے اہل عہد (معاہد یا ذِمی) خلافت راشدہ کی فلاحی مملکت میں اہل عہد کے خصوصی حقوق کا تعین باقاعدہ طور پر موجود تھا اور خلفاء اربعہ خود سختی کے ساتھ اس ضابطے پر عمل درآمد کرواتے تھے۔ جان ومال کا تحفظ، حق ملکیت اور اس کا تحفظ، عزت وآبرو کا خیال اور ہتک عزت کا مداوا۔ اس سب کچھ کو ریاست کی بنیادی ذمہ داری سمجھا جاتا رہا اور خلاف ورزی کی صورت میں کڑا احتساب روا رکھا گیا۔ عدل کی فراہمی اور قانون کی بالاتری کے ذریعے حقوقِ انسانی کی ادائیگی کو منضبط، شفاف اور ضروری ثابت کیا گیا۔ بے شمار تاریخی نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت اسلامی کا یہ خاصہ اسے دنیا کی تمام ریاستوں سے ممتاز بنا دیتا ہے۔

اس سلسلہ کی بہترین مثال حضرت عثمان غنی h نے یوں فراہم کی کہ آپ نے اپنے خلاف محاصرہ کار باغیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت یہ کہتے ہوئے نہ دی کہ میں اپنی جان بچانے کی خاطر کئی مسلمانوں کا خون نہیں ہونے دیتا۔ خلافت اسلامی کے دور میں موجود ذمیوں کے حقوق کی تفصیلات، ایک محقق کو متحیر کر دینے کے لئے کافی ہیں۔ حقوق انسانی کا ایسا صاف ستھرا اور مبنی بر انصاف شعور اور پھر اس کے نفاذ کا عملی ضابطہ، اسلامی ریاست کا قائم کردہ ایسا مینارۂ نور ہے جس سے تاریخ انسانی پہلی دفعہ روشناس ہوئی اور تا اَبد مستفیض ہوتی رہے گی۔

یعقوبی نے خلیفہ ثانی کے دور کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ عمرو بن العاص h (فاتح مصر) کے بیٹے نے ایک قبطی عیسائی کو مارا پیٹا۔ مقدمہ حضرت عمر h کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے مجمع عام میں سزا دلوائی اور باپ بیٹے سے مخاطب ہو کر وہ جملہ ادا فرمایا جو تاریخ میں حقوقِ انسانی کی ضمانت ٹھہرا کہ:

''تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنا لیا ہے؟ حالانکہ ان کی ماں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔''

اسی طرح حضرت علی h کے سامنے اہل حیرہ کے ایک شخص کا مقدمہ پیش ہوا جس کے بیٹے کو ایک مسلمان نے قتل کر دیا تھا۔ آپ نے گواہی لینے کے بعد قاتل سے قصاص لیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ ذمی کو مسلمانوں نے دیت پر راضی کر لیا اور حضرت علی h کو طے پانے والے معاہدے کی تفصیل بتائی۔ خلیفہ نے اس معاہدے کو اس وقت قبول فرمایا جب یہ تصدیق ہوگئی کہ ذمی کو ڈرا دھمکا کر دیت پر راضی نہیں کیا گیا۔ آپ h نے اس موقع پر مسلمانوں کے مجمع میں فرمایا کہ:

''میں نے ذمیوں کو وہ حقوق دیئے ہیں کہ ہمارا خون ان کے خون کی طرح اور ہماری دیت ان کی دیت کی مانند ہو جائے۔''

سماجی آزادی اور عزت و آبرو کا تحفظ

عہد خلافت میں اسلامی ریاست کے باشندے عدلِ اجتماعی سے اس طرح بہرہ مند تھے کہ آج کی مہذب ترین سوسائٹی میں بھی اس کا صرف خواب دیکھا جا سکتا ہے۔ افراد معاشرہ کی سماجی آزادی اور ان کی عزت و آبرو کا تحفظ تو یوں لگتا ہے، خلیفہ وقت اوّلین ترجیح میں شامل تھے۔ جب بھی کوئی ایسا مقدمہ خلیفہ وقت کے سامنے پیش ہوا تو فوراً اس کے ازالے کا اہتمام ہوا اور انصاف ہوتا ہوا نظر آیا۔ ابوموسیٰ اشعری نے ایک شخص کو مالِ غنیمت میں سے زائدہ حصہ مانگنے پر کوڑے لگوائے اور سر منڈوا دیا۔ حضرت عمر h کے پاس شکایت پہنچی تو آپ فوراً اس کے بدلے کا حکم دیا۔

اسی طرح آپ کے عہد میں بنی ہذیل کے کسی شخص نے اپنے میزبان کی لڑکی پر دست درازی کی، اس کے پتھر مارنے سے وہ ڈھیر ہو گیا۔ آپ کے پاس فیصلہ آیا تو آپ نے اسے اللہ کی

طرف (سزا کے طور پر) قتیل قرار دیا اور دیت نہ دلوائی۔

ملک شام کے شہر حمص میں امیر عساکر ابوعبیدہ نے جب لوگوں کو جزیہ واپس کرنے کے لئے حکم صادر فرمایا تو شہری حیران ہوئے کہ اعراض کی دنیا میں یوں بھی ہوتا ہے! استفسار پر بتایا یہ جزیہ ذمیوں سے ان کے دفاع اور حفاظت کے عوض میں لیتے ہیں۔ چونکہ ہم اس علاقے سے اپنی فوجیں واپس لے جا رہے ہیں اور حفاظت کا فریضہ انجام دینے سے قاصر ہیں لہٰذا اللہ کی مخلوق کا مال اسے واپس کر رہے ہیں۔ حقوق انسانی کا تحفظ اس انداز سے ہوتا دیکھ کر شہریوں کی آنکھوں میں آنسو اُتر آئے اور ان کے لبوں پر یہ دعائیں آ گئیں ''اللہ ایسے محافظوں کو ہمارے لئے دوبارہ فتح سے ہمکنار کرے اور ہمیں ان کی نگرانی میں زندگی گزارنا نصیب ہو۔

ایک طرف سرکاری سطح پر نظام خلافت کے ادارے حقوق خلق میں اس قدر محتاط ہیں اور دوسری طرف انفرادی سطح پر خلفاء کا طرز عمل عجیب مثالیں رقم کر رہا ہے کہ حضرت عمر h فرات کے کنارے کسی بکری (یا بعض روایات میں کتے) کے بھوکا مرنے کا ذمہ دار اپنے آپ کو قرار دیتے ہیں۔ جو خلیفہ جانوروں کے حقوق کا ایسا پاسبان ہو وہ انسانوں کے لئے کیا کچھ نہ کرتا ہوگا؟ علامہ عینی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی h نے ایک غلام کو دو قطعے کپڑے خریدنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ لے آیا تو آپ نے باریک قیمتی کپڑے کا ٹکڑا اسے دیتے ہوئے کہا تم زیادہ مستحق ہو کہ تم جوان ہو اور زینت و آرائش چاہو گے، دوسرا کپڑا خود رکھ لیا اور فرمایا (میری خیر ہے) میں تو بوڑھا ہو چکا۔

بلا امتیاز رنگ و نسل اور مقام و مرتبہ، رعایا کی نفسیات تک یوں خیال رکھنا افسانوی ادب اور خیالی دنیا سے نکل کر پہلی دفعہ اس دور میں عملی زندگی میں آیا کہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔ عہد کی پاسداری سنہرے نظائر بھی تاریخ انسانی کے اس عہد میں نظر آتے ہیں ورنہ ''مہذب'' دنیا میں یہ معاملہ ''پالیسی'' کے منافقانہ رویے کی نظر ہوتا رہا ہے۔

ایرانی فرمانروا ہرمزان حضرت عمر h کے سامنے گرفتار ہو کر پیش ہوا، اس کے قتل کا فیصلہ صادر ہوا تو اس نے پانی مانگا۔ پانی لینے تک کے لئے جان کی امان مانگی۔ حضرت عمر h نے ''لابأس'' کہا۔ وہ ایک ''پالیسی'' پر چل رہا تھا۔ اس نے پانی پیئے بغیر گرا دیا تا کہ نہ پیئوں اور نہ

اس وقت تک قتل کیا جاؤں) حضرت انس نے خلیفہ سے کہا کہ آپ اسے قتل نہیں کر سکتے کیونکہ آپ امان دے چکے ہیں۔ گواہی مانگی گئی تو زبیر بن العوام نے گواہی دی کہ امان دی گئی تھی لہٰذا اسے چھوڑ دیا گیا اور وہ مسلمان ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق h نے امیر عساکر کو حکم لکھ کر بھیجا تھا کہ اگر کسی کو امان دینے کا اشارہ تک کر چکے ہو تو اسے برقرار رکھنا۔

انسانی آزادی کا تحفظ کرنے والوں کی تاریخ میں حضرت علی h کے یہ الفاظ سنہرے الفاظ میں نقش ہو گئے ہیں کہ:

''مجھے شرم آتی ہے کہ میں ایک انسان کو غلام بناؤں جو اللہ کو اپنا رب کہتا ہے۔''

سرزمین عرب کے قبائلی نظام میں خلیفہ وقت کا اقرباء پروری سے مکمل اجتناب بلکہ اپنے خاندان کو سرکاری عہدوں سے دانستہ دور رکھنا بھی ایک انہونی تھی۔ خلفائے راشدین نے سماجی آزادی اور معاشرتی انصاف کے تقاضوں کو مجرح نہ ہونے دیا اور یوں لوگوں کے لئے ایک نئی مثال قائم کر دی۔ اس سلسلہ میں اگرچہ حضرت عثمان غنی h کا طرزِ عمل مختلف نظر آتا ہے مگر انہوں نے بھی صلہ رحمی کے جذبے کے تحت اپنے خاندان میں سے اپنے اعتماد کے آدمیوں کو سرکاری عہدے دیئے۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو انہوں نے اپنی قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر ایسا کام کر کے دکھایا جو توقعات سے بڑھ کر تھا۔

حضرت عمر فاروق h نے اپنے بعد ہونے والے ایک متوقع خلیفہ کو یہ وصیت کی تھی کہ:

اگر میرے بعد تم خلیفہ بنو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا۔

گویا آپ کو انسان کی سماجی آزادی اور معاشرتی حقوق کا اس قدر احساس تھا کہ خود اپنے دورِ خلافت میں تو اس کا خیال رکھتے ہی رہے، آنے والے خلفاء کو بھی تاکید کر گئے کہ ایسی غلطی سے مجتنب رہنا جس سے امت کے اجتماعی شعور وضمیر پر بوجھ اور خالق کی دی ہوئی نعمتوں سے وہ محروم رہ جائیں۔

رعایا کی آزادی رائے کا احترام

خلیفہ اوّل کی پہلی تقریر جو آپ نے بیعت عام کے بعد شہریوں کے اجتماع عام میں کی،

اس کے الفاظ تھے کہ:

اگر آپ چاہیں تو اصحابِ رسول (ﷺ) میں سے کسی اور کو چن لیں، میری بیعت آپ کے راستے میں حائل نہیں ہوگی۔'' اور یہ کہ ''اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری مدد کیجئے اور اگر غلط کروں تو مجھے سیدھا کر دیجئے۔

رضا کارانہ بیعت اطاعت کی بنیاد پر منتخب خلیفہ کا عوام الناس کو حق احتساب دینا اور اپنی اصلاح کا اختیار بھی انہیں عطا کرنا سونے پہ سہاگہ والی بات ہے۔ حریت فکر اور آزادی اظہار کے تحفظ کی ضمانت اس سے بہتر طریقے سے بھی فراہم کی جاسکتی ہے؟ تاریخ ایسی کوئی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت عمر فاروق h نے آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے سلسلہ میں ایک چھ رکنی کمیٹی بنائی تھی۔ آپ نے ان افراد سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''جو شخص مسلمانوں کے مشورے کے بغیر زبردستی امیر بنے کی کوشش کرے اسے قتل کر دو۔''

یعنی وہ اتنا بڑا جرم کرے گا کہ اس کی سزا موت سے کم نہیں ہوسکتی۔ حضرت علی h کو شہادتِ عثمان h کے بعد عہدہ خلافت سنبھالنے کے لئے باصرار کہا گیا تو آپ نے فرمایا:

میری بیعت خفیہ طریقے سے نہیں ہوسکتی، یہ مسلمانوں کی مرضی سے ہی ہوگی۔

امام ابو یوسف نے حضرت عمر h کی ایک مجلس شوریٰ کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ خلفاء راشدین کے ذہنوں میں حکومت سنبھالنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ عوام کو محض حاکم کی مرضی اور خواہش کا غلام بن کے نہیں رہنا چاہئے بلکہ وہ اپنی آزاد سوچ رکھنے اور اس کا آزادی کے ساتھ اظہار کرنے کا مکمل حق رکھتے ہیں۔

آپ نے اپنی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں فرمایا:

آپ میں سے جس کا جی چاہے مجھ سے اختلاف کرے اور جس کا جی چاہے میرے ساتھ اتفاق کرے میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ میری خواہشات کی پیروی کریں۔

یہ بات اب خلیفہ وقت کی طرف سے خود کہی جا رہی ہے، حالانکہ اس طرح کا حق لینے کا مطالبہ تو شوریٰ کے افراد کی طرف سے آنا چاہئے تھا۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ آپ عملاً اس

اصول پر عمل پیرا تھے۔ لہٰذا لوگوں کو اس بات کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دوسرا یہ کہ آپ لوگوں کے اندر حریت فکر اور آزادیٔ اظہار کے لئے موجود عنصر کو حوصلہ دینا چاہتے تھے اور ان اقدار کی آبیاری کو امت کے لئے اور افراد شوریٰ کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ اور گاہے گاہے اس بات کا جائزہ لیتے رہتے تھے جسے تاریخ نے محفوظ کیا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے لوگوں کی مجلس میں یہ کہا کہ اگر میں بعض معاملات میں ڈھیل اختیار کرلوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت بشر بن سعد نے کہا ''اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم آپ کو تیر کی طرح سیدھا کر دیں گے۔ اس پر آپ نے ان کی حوصلہ افزائی کی ''تب تو تم کام کے لوگ ہو!''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ امت کے اجتماعی ضمیر کو بیدار رکھنے کے متمنی تھے۔ ان میں سوچنے سمجھنے کی قوت اور رائے کے اظہار کی جرأت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مذکورۃ الصدر ابوموسیٰ اشعری کے ایک شخص کو کوڑے لگوانے والے معاملے میں آپ نے عجیب بات کی۔

ہوا یوں کہ متاثرہ شخص اپنے بالوں کو لے کر مدینہ پہنچا اور جاتے ہی بالوں کا گچھا بنا کر خلیفہ ثانی عمر فاروق h کے سینے پر دے مارا اور بڑے اکھڑ لہجے میں بولا ''بخدا آج! میرے ساتھ یہ ظلم ہوا۔ میں بہت بلند آواز اور دشمن پر دباؤ ڈالنے والا انسان ہوں۔'' آپ نے اس کی گستاخی پر غضبناک ہونے کے بجائے اسے خراج تحسین پیش کیا اور فرمایا: بخدا! اگر سارے لوگ اس جیسے عزم والے ہوں تو یہ بات مجھے اس سارے مالِ غنیمت سے زیادہ عزیز ہے جو اب تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہے۔ یاد رہے کہ خلفائے راشدین میں خلیفہ ثانی کا ہی تو دور تھا جب سب سے زیادہ فتوحات ہوئیں اور سب سے زیادہ مالِ غنیمت جمع ہوا مگر امیر المومنین اس مال و دولت سے اہم اس بات کو قرار دے رہے ہیں کہ لوگوں میں حریت فکر پیدا ہو اور وہ اظہار رائے دولت سے مالا مال ہو جائیں۔

حضرت علی h کے سامنے ایک دفعہ کچھ خارجیوں کو گرفتار کر کے لایا گیا وہ آپ کے منہ پر آپ کو گالیاں دیتے رہے۔ ان میں سے ایک خدا کی قسم اٹھا کے آپ کو قتل کرنے کا برملا ارادہ دہرائے جا رہا تھا۔ لوگوں کے کہنے کے باوجود آپ نے صرف سزا دینے سے احتراز کیا بلکہ یہ فرمایا کہ جب تک عملاً کوئی کارروائی ان سے سرزد نہ ہو جائے جو قابل گرفت ہو تو محض زبانی مخالفت کی

بنیاد پر سزا نہیں دی جائے گی۔

تاریخی حقائق بتاتے ہیں خلفائے راشدین نے محض ایسی ''نیک خواہشات'' نہیں رکھیں بلکہ اپنے طرزِ عمل اور طرزِ حکومت سے یہ ثابت کیا کہ ان کی حکومت کی اولین ترجیح لوگوں کو قانونی مساوات، سماجی آزادی، اجتماعی عدل اور اظہار رائے کی آزادی سے ہمکنار کرنا ہے۔ یہاں تک کہ ''بیعت'' جیسے بنیادی ادارے کی خلاف ورزی کرنے والوں کی عزتِ نفس کو مجروح نہیں کیا گیا۔ قانونی لحاظ سے بیعت نہ کرنے والوں سے پوچھ گچھ کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے مگر خلیفہ اول نے حضرت سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کے باوجود ان سے تعرض نہ کیا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر اور دیگر کچھ اصحاب نے بیعت نہیں کی مگر نہ صرف یہ کہ آپ نے ان سے تعرض نہیں کیا بلکہ ان کے بارے میں دوسروں کو یہ ضمانت دیتے رہے کہ ان سے کسی فتنے کا اندیشہ نہیں۔

ایسے خلیفہ کے بیٹے کو دورِ خلافت کے بعد محض بیعت نہ کرنے پر خاندان کے معصوم بچوں سمیت شہید کر دیا گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ خلفائے راشدین اس حریت فکر اور اظہار رائے کی آزادی سے کئی سیاسی نقصان تو برداشت کے لیتے مگر اُمت کے شعور اور ضمیر پر پہرے بٹھانے سے گریز کیا۔

مقامِ نسواں کا تحفظ

قرآن حکیم اور اسوۂ رسول (ﷺ) کی روشنی میں خواتین کا معاشرے میں جو مقام، حیثیت اور ذمہ داری بنتی ہے، اس کا مکمل عملی مظاہرہ دورِ خلافت راشدہ میں نظر آتا ہے۔ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ عورت کو معاشرے میں باوقار شہری کی جگہ اور اس کے حقوق عطا ہوئے۔ اسلام نے عورت کو باعزت زندگی، تعلیم، وراثت اور دیگر معاشرتی حقوق سے نوازا۔

خلفائے راشدین نے اس مقامِ نسواں کے تحفظ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ خواتین نے معاشرے کی اسلامی خطوط پر استواری میں حکومت کا بھرپور ساتھ دیا۔ نسل نو کی تربیت، مجاہدین کی تیاری، جنگوں میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور تحصیل و ترویج علم میں مکمل معاونت کی۔ اس سب کچھ کے ساتھ وہ خانگی امور اور اندرون خانہ سرگرمیوں میں بھی مصروف رہیں۔

اہل الرائے خواتین کے ساتھ امور سلطنت کے بارے میں خلفاء کا مشورہ بھی تاریخ

نے محفوظ کیا ہے۔ اُمہات المومنین کی آراء اور دیگر صحابیات کے مشورے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ حضرت عمر فاروق h نے ایک صحابیہ شفا بنت عبداللہ سے بعض اہم معاملات میں رائے لی اور انہیں بازار (میں قیمتوں وغیرہ) کی نگرانی پر مامور بھی کیا۔

آپ کے عہد میں خواتین نے جنگوں میں حصہ لیا۔ مثلاً! جنگ یرموک میں حضرت اسماء بنت یزید۔

اسی طرح وہ عدالتوں میں حاضر ہو کر گواہی بھی دیتیں۔ مثلاً حضرت علی h کی عدالت میں چار عورتوں نے ایک عورت کے خلاف گواہی دی کہ اس نے پاؤں تلے بچہ روند ڈالا ہے۔ حضرت عمر h نے ایک شوہر کے خلاف بیوی کو طلاق دینے کے واقعہ میں چار عورتوں کی شہادت کو قبول کیا۔

خواتین معاشرہ کا کردار خلفائے راشدین کے دور میں نہ صرف اجتماعی کاموں میں ہاتھ بٹانے تک محدود تھا بلکہ ان کی طرف سے خلفاء پر تعمیری تنقید بھی جاری رہتی۔ مثلاً ایک دفعہ خلیفہ ثانی کو سرراہ روک کر ایک خاتون نے کہا: اے عمر! رعایا کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ جب آپ کے ساتھی نے اسے ٹوکنا چاہا تو آپ نے منع کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق h خطبہ جمعہ میں حق مہر کی رقم مقرر کرنے کا حکم دے رہے تھے کہ ایک عورت نے ٹوک دیا اور ان کی رائے کے مقابلے میں قرآن سے دلیل دی تو خلیفہ نے اپنی رائے تبدیل کر لی۔

معاشی تحفظ اور نجی زندگی کی آزادی وسلامتی

دین اسلام کے طے کردہ انسانی مقام و مرتبہ کی روشنی میں خلفائے راشدین نے ہر ایک فردِ معاشرہ کو محترم اور مفید جان کر اس کی خدمت کی۔ وہ انسان میں حقوق و فرائض کے توازن کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کی جدوجہد میں رہے۔ اس سلسلہ میں مسلم و غیر مسلم اور غریب و امیر یا اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی طبقاتی تقسیم نہیں کی۔ وہ اپنے آپ کو رعایا کی زندگیوں کا مالک نہیں سمجھتے تھے۔ معاشی زندگی کا تحفظ، سماجی عدل کی فراہمی اور افراد کی نجی زندگی کی آزادی کی خاطر اپنے آپ کو ہر وقت بے چین کیے رکھتے تھے۔ اپنی رعایا میں ایک معصوم انسانی بچے کے بلکنے سے لے کر دور دراز

جنگلوں میں جانور کے بھوکا رہنے تک کا احساس ہر وقت ان کی حرز جاں تھا۔ضرورت مندوں، یتامیٰ، مساکین اور فقراء کے باقاعدہ رجسٹر اور اندراج موجود تھے۔جن کی بنیاد پر حکومت ایسے لوگوں کی مسلسل خبر گیری کرتی رہتی تھی۔

خلیفہ ثانی نے ایک یہودی کو بھیک مانگتے دیکھا تو اسے گھر لے گئے اور بیت المال کے ذمہ دار کو بلا کر اس کا روزینہ مقرر کروایا۔اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ کہے: خدا کی قسم! یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم ان کی جوانی سے جزیہ لے کر کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیں۔

عہد خلافت میں نومولود بچوں کے وظائف مقرر تھے۔حضرت حسین بن علی i سے پوچھا گیا کہ نومولود کا حصہ کب سے جاری ہوگا؟ آپ نے فرمایا اسی وقت سے جب وہ پہلی آواز نکالے۔حضرت عمر فاروق h کا یہ مستقل طریقہ تاریخ سے ثابت ہے۔

اسی طرح خلیفہ ثالث کے حوالے سے ایک محترم خاتون کا بیان ہے کہ: بچے کی ولادت پر مجھے امیر المومنین نے پچاس درہم اور ایک چادر بھیجی اور کہلا بھیجا کہ یہ آپ کے بچے کا وظیفہ ہے، جب یہ ایک سال کا ہو جائے تو ہم اس کا وظیفہ بڑھا دیں گے۔

اس سلسلہ میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ سرکاری اداروں کا سلوک سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ان کے جان و مال کا تحفظ، عزت و آبرو کی ضمانت، انہیں معاشی حقوق کی فراہمی کے ساتھ جزیہ کی وصولی کے سلسلہ میں فیاضانہ برتاؤ بے مثال رہا۔چار ماہ تک جزیے میں چھوٹ اور سال بھر اسلامی ریاست کی حفاظت میں رہنے پر جزیہ کی ادائیگی جاری رہی۔ غریب، کمزور، معذور افراد کو نہ صرف جزیہ معاف ہوتا بلکہ ان کے وظائف جاری کیے جاتے۔

کتاب الاموال میں حضرت عمر h کے ایک غلام کی روایت درج ہے۔جس میں بتایا گیا ہے کہ خواتین اور بچوں کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیے دیا گیا تھا۔

معاشی پہلوؤں سے قانونی مساوات کی ایک اور نادر مثال قاضی شریح کا وہ فیصلہ ہے جو انہوں نے حضرت عمر h کے مقابلہ میں عام شہری کے حق میں دیا۔ہوا یوں کہ خلیفہ ثانی نے ایک گھوڑا خریدا۔جب سودا ہو گیا اور آپ اس پر سوار ہوئے گھوڑا گرنے سے زخمی ہو گیا۔آپ نے

اسے مالک کو واپس کرنا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کیا۔ عدالت میں معاملہ لے جایا گیا تو قاضی نے فیصلہ گھوڑے کے مالک کے حق میں دیا اور خلیفہ سے کہا کہ آپ اگر واپس کرنا چاہتے ہیں تو گھوڑے کو اسی حالت میں کر سکتے ہیں جس طرح آپ نے لیا تھا (یعنی زخم کے بغیر)۔

شہریوں کی نجی زندگی میں حکومتی دخل اندازی کو بھی خلافت اسلامیہ نے ناپسند کیا۔ قرآن مجید نے زندگی کے جن نجی حقوق کی تفصیل کے ساتھ ہدایت فرمائی ہے، خلفائے راشدین نے ان کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھا۔ یہ سب کچھ اس زمانے میں ہو رہا تھا جب انسان کو ان نجی حقوق کی خبر نہ تھی۔ مذہب وعقیدے کی آزادی، معاشی زندگی اور حقوق ملکیت، قانون وراثت اور تحفظ آبرو، جیسے اقدام خلافت راشدہ کے تاریخی کارنامے ہیں۔ اسی طرح دوسروں کے خلاف کسی شہری کا یا سرکاری ادارے کا تجسس، پراپیگنڈہ، غیبت، الزام تراشی وغیرہ پر سختی سے پابندی قائم رکھنا، اصولِ استیذان، معاشرتی زندگی میں اور شک کا فائدہ، سزا کے معاملات میں۔ یہ وہ سنہرے اصول ہیں جو تاریخ انسانی نے صرف خلافت اسلامی کے دور میں دیکھے ہیں۔

خلیفہ اوّل نے حضرت عمرو بن العاص کو شام وفلسطین کی طرف مہم پر روانہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جیسے تمہاری اولاد ہیں۔ لوگوں کے راز نہ ٹٹولو اور ان کے ظاہر پر ہی ان سے معاملہ کرو۔

حضرت عمر h کا ایک واقعہ تاریخ میں انوکھا نظر آتا ہے۔ گلی میں سے گزرتے ہوئے آپ نے کسی گھر کے اندر سے موسیقی کی آواز سنی۔ دیوار پھلانگ کر اندر گئے تو شراب وشباب نظر آئے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر آپ برہم ہوئے مگر شہری کے اعتراض نے انہیں لاجواب کر دیا۔ اس نے کہا کہ میرا جرم ایک طرف مگر امیر المومنین! آپ نے حکم الٰہی کی تین خلاف ورزیاں کی ہیں، ایک تجسس کیا، دوسرے دیوار پھلانگی، تیسرا بغیر اجازت میرے گھر میں داخل ہوئے۔ یہ سننا تھا کہ جلالت وعظمت کے پہاڑ عمر فاروق h نے بجائے غصہ ہونے کے اسے سرزنش کرنے پر ہی چھوڑ دیا۔

عجیب بات ہے، پہلے ایسے حقوق کا لوگوں کو شعور خود دیا، پھر اس کا تحفظ بھی کرتے رہے اور اگر ایک جگہ خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تو شہری کو احتساب کرنے کا حق بھی دیا۔

اسے اَنا کا مسئلہ اور عناد کی جڑ نہیں بننے دیا۔ اسلام ایسی پاکیزہ ہستیوں پر جو عالی مرتبہ ہونے کے باوجود اتنی عاجزی و انکساری سے رہے۔ اپنے رعیت کے سارے حقوق کو اپنے فرائض سمجھ کر پورے کرتے رہے۔ رعایا کو جرأت اظہار، حریت فکر اور ''حق احتساب'' عطا کرتے رہے۔

اصلاح معاشرہ اور انسانی اوصاف کی نشو ونما

خلافت راشدہ کا انسانی معاشرے کے لئے یہ بھی ایک منفرد تحفہ ہے جو حکومتوں کی تاریخ کے مطالعہ کے بعد اور بھی قیمتی اور نمایاں نظر آتا ہے۔ خلفائے راشدین امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا قرآنی فریضہ ادا کرتے ہوئے معاشرے کی اصلاح اور افراد معاشرہ کی تعمیر سیرت و کردار کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

فرد، معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور اس کے بگڑنے یا سنورنے سے ہی معاشرے تخریب یا تعمیر کے راستوں پر چلتے ہیں۔ جناب رسول کریم ﷺ کی جانشینی کا مطلب ہی یہ تھا کہ معاشرے کو تعمیر انسانیت کی راہوں پر جاری و ساری رکھا جائے اور اس سلسلہ میں خلافت راشدہ کسی وقت بھی غافل نہ ہوئی۔

اسلامی ریاست حکومت جہاں عوام الناس کی ضرورت پوری کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے وہاں وہ ان کی اخلاقی نگرانی اور روحانی تعمیر و تہذیب بھی اپنے ذمہ لیتی ہے۔ لہٰذا خلفائے راشدین کی یہ مستقل حکمت عملی رہی ریاست کے ان دو بنیادی ستونوں کو کمزور ہونے نہ ہونے دیا جائے۔ اس مقصد کی خاطر انہوں نے قانونی حاکمیّت اور عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا۔ انسانی مساوات کی عظیم مثالیں پیش کیں۔ ریاست کی طرف سے عوام کو آزاد معاشی، سماجی اور معاشرتی زندگی کے مواقع اور وسائل مہیا کیے۔ وعظ و نصیحت سے بڑھ کر اپنے عمل کے ٹھوس اور قابل تقلید نمونے پیش کیے اور قانون کے بے لاگ نفاذ کے ذریعہ اصلاح معاشرہ اور اعلیٰ اوصاف انسانی کی نشونما کو یقینی بنایا۔

خلیفہ اوّل نے اپنی پہلی تقریر میں ہی لوگوں کو معروف کی برکتوں اور منکرات کی نحوستوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ کوئی قوم اللہ کی راہ میں جدوجہد چھوڑ دے اور اللہ اس پر ذلت مسلط نہ کردے اور کسی قوم میں

فواحش پھیلیں اور اللہ اس کو عام مصیبت میں مبتلا نہ کردے۔

تمام خلفاء نے اپنی رعایا کو یہ شعور دینا ضروری سمجھا کہ ان کی اطاعت صرف معروف میں کی جائے۔ منکرات میں نہ صرف ان کی اطاعت قطعاً ضروری نہیں بلکہ اس کے خلاف ردّعمل کا برملا اظہار کیا جائے۔ افرد معاشرہ کے حقوق کا تحفظ اور حکمرانوں کے احتساب کا یہ دوگونہ اصول صرف خلافت راشدہ نے ہی انسانوں کو عطا کیا۔ انسان تو مطلق العنان بننا چاہتا ہے کجا کہ حاکم بننے کے بعد لوگوں کو اپنے اختیارات پر حدلگانے کا نہ صرف اختیار دے دیا جائے بلکہ انہیں اس کا طریق کار اور معیار بھی عطا کر دیا جائے۔

حضرت عمر فاروق h اپنے عمال کو ہدایت فرماتے کہ تمہیں رعایا کے بالوں اور ان کی کھالوں کے مالک بن جانے کے لئے عامل نہیں مقرر کیا بلکہ اس لئے تمہیں مقرر کرتا ہوں کہ تم نماز قائم کرو، لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو، عدل کے ساتھ ان کے حقوق تقسیم کرو۔

بقول خلیفہ اوّل اپنے آپ کو درست رکھو، تمہاری رعیت بھی درست رہے گی۔

عمال کی تقرری کے وقت انہیں سرکاری فرمان کے ذریعے اپنی اصلاح اور لوگوں کے اخلاق کی نگرانی کی ہدایات دی جاتیں۔ عمال سے اپنی حدود میں رہنے اور عوام کی تعمیر و تہذیب پر لگے رہنے کے عہد لئے جاتے۔ پرتعیش زندگی گزارنے پر ان کی سخت تادیب ہوتی، لوگوں کی شکایت پر حکام کو تبدیل کیا دیا جاتا۔ حضرت عمر h نے عیاض h بن غنم، عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمبل کا کرتا پہنوایا اور انہیں بکریاں چرانے پر لگا دیا۔

مقصد یہ کہ ایسے افراد کو لوگوں پر حکمران نہیں رہنا چاہئے کہ جن کے کردار کو دیکھ کر اسراف، عیاشی اور لاپرواہی رعایا میں بھی پنپنے لگے۔ حضرت علی h اخلاقی نگرانی کی زبانی و تحریری ہدایات کے علاوہ اصلاحی وفود بھیجتے جس سے عمال کی تحقیقات و نگرانی مقصود ہوتی ہے۔

خلفائے راشدین کی سیرتوں کا مطالعہ انسان کی آنکھیں کھولتا ہے کہ ایسے حکمران بھی دنیا میں ہو سکتے ہیں جو بیک وقت امام، مرشد، نگران، سربراہ اور خادم ہوں۔ نخلستان انسانی کے یہ باغبان..... جب انسانی معاشرے کے قائد بنے تو ایک ذمہ دار اور باضمیر معاشرہ پیدا ہوا۔ جو تعمیر کے اصولوں کا متلاشی اور تخریب کی سرگرمیوں سے مسلسل گریزاں ہوتا تھا۔ محنت، دیانت اور

خود احتسابی کے بنیادی اوصاف کی نشو ونما نے عرب کی انسانی اجتماعیت کو اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار سے مزین کر دیا تھا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اصول نے ان کے اندر اچھائی پھیلانے کی اتنی جرأت بھر دی تھی کہ وہ خلیفہ وقت کو ٹوک کر صحیح رُخ پر لگا لیتے تھے۔

خلافت راشدہ کے یہ وہ معاشرتی احسانات ہیں جو آج تک آنے والی انسانی حکومتوں کے لئے مشعل راہ بنے ہوئے ہیں۔ ان زریں اصولوں سے نہ صرف مسلمان حکومتیں فیض یاب ہوتی رہتی ہیں بلکہ انسان کے اجتماعی شعور نے ان سے فائدہ حاصل کر کے آج فلاحی معاشرے تخلیق کرنے کی ہمت کی ہے۔ اصول حکمرانی سے لے کر نظامِ تمدن کی جزئیات تک انسانی اجتماعیت ہمیشہ خلافت راشدہ کی ممنون ومقروض رہے گی۔ تاریخی حقائق اور نظائر کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو اپنی دنیوی فلاح اور اُخروی کامیابی کے لئے جس جامع نظام کی تلاش ہے وہ صرف اور صرف رسول خدا ﷺ کے خلفاء کے قائم کردہ معاشرے سے ہی مل سکتا ہے!!!

YOU CREATE
***BEAUTY** WITH*
YOUR ATTITUDE
YOUR BEHAVIOR
YOUR ACTIONS

AT'S ALL UP TO YOU

اقبال اور دانش حاضر

ڈاکٹر طالب حسین سیال
(بشکریہ اقبال نمبر مجلّہ الدعوۃ دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد)

علامہ اقبال فجر کی نماز کے بعد خوش الحانی سے تلاوتِ کلامِ پاک کیا کرتے تھے۔اس کے بعد وہ آرام سے کرسی پر بیٹھ جاتے۔ان کا ملازم علی بخش ان کے لئے حقہ تیار کر کے لاتا۔وہ اُن مقدمات کا مطالعہ کرتے جو اُس دن پیش ہونے ہوتے۔کبھی کبھی وہ مقدمات کی فائلوں کے مطالعہ کے دوران میں شاعرانہ آمد محسوس کرتے تو علی بخش کو کاغذ اور پنسل لانے کا اشارہ کرتے، اور کبھی کبھی اشعار لکھتے وقت قرآنِ حکیم بھی طلب کرتے۔اس کے علاوہ بھی دن یا رات کے وقت وہ کئی بار علی بخش سے قرآن مجید منگواتے۔۔علامہ اقبال کے تفکر کا اصل سرچشمہ قرآن حکیم تھا۔ اُنہوں نے شرق وغرب کے علوم کی بھی باقاعدہ تحصیل کی تھی۔عربی اور فارسی میں اُن کے ابتدائی استاد مولانا میر حسن تھے۔قیامِ یورپ کے دوران میں جب ان کے استاد پروفیسر آرنلڈ چھ ماہ کے لئے رخصت پر گئے تو اقبال ان کی جگہ چھ ماہ تک لندن میں عربی پڑھاتے رہے۔اُنہوں نے فلسفہ میں ایم۔اے کی ڈگری گورنمنٹ کالج لاہور سے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری میونخ یونیورسٹی جرمنی سے حاصل کی تھی۔علامہ اقبال کو اُردو، فارسی، انگریزی اور عربی پر دسترس حاصل تھی۔اُنہوں نے سنسکرت اور جرمنی بھی سیکھی تھی، اس لئے وہ قدیم اور جدید اور مشرق ومغرب کے لٹریچر سے بخوبی واقف تھے نیز اپنے عہد کے علماء وشعراء اور مذہبی وسیاسی مشاہیر سے بھی تبادلۂ خیال کرتے رہے تھے۔مغرب کے دانشوروں اور فلسفیوں سے بھی اُن کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔اس علمی ومجلسی

پس منظر کے تناظر میں ڈاکٹر اقبال کے علمی وفکری تبحر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری کی انقلاب آفرین روح اور ملکوتی پیغامات، اُن کے خطبات کی عقلی آفاقیت اور وجدانی گہرائی، اُن کی نثر کا متوازن اسلوب اور اثر آفرینی دراصل ان کی قرآن فہمی اور وسعت مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں بار بار اس حقیقت کو اُجاگر کیا ہے کہ قرآن مجید نے تکوینی نظام کائنات اور مظاہر فطرت پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ قرآن حکیم نے ہی بنی نوع انسان پر استقرائی تدبر (INDUCTIVE INTELLECT) کا دروازہ کھولا ہے۔ قرآن نے عقل انسانی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حواس کے ذریعے سے علم ومعلومات حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ علامہ اقبال اپنے ایک خطبے میں اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

> سقراط نے انسانی دنیا ہی پر اپنی توجہ مرتکز رکھی۔ اس کے نزدیک انسان کے مطالعے کا موضوع خود انسان ہے۔ یہ کرۂ ارض، حشرات زمینی اور ستارے وغیرہ اُس کے مطالعے کا موضوع نہیں ہیں۔ بظاہر یہ قرآن کی تعلیم کے کس قدر منافی ہے جو کہتا ہے کہ شہد کی معمولی مکھی کو بھی وحی ہوتی ہے۔ قرآن نے اپنے قاری کو دعوت دی ہے کہ وہ ہواؤں کے تغیر وتبدل، دن اور رات کی گردش، بادلوں کی آمد ورفت اور تاروں بھرے آسمان کا مطالعہ کرے، اوران سیاروں کا جو فضائے بسیط میں تیر رہے ہیں۔ سقراط کے ایک سچے شاگرد کی حیثیت سے افلاطون نے بھی حواسی ادراک کو بہ نظر تحقیر دیکھا جو اس کے خیال میں حقیقی علم کے بجائے محض ایک رائے کی بنیاد ہوسکتا ہے۔ قرآن اس نقطہ نظر کو کس طرح پسند کرسکتا ہے جو سماعت اور بصارت کو خدا کے قابل قدر دو تحفے قرار دیتا ہے اور انہیں دنیا میں اپنی کارکردگی کے اعتبار سے خدا کے سامنے جوابدہ ٹھہراتا ہے، بے شک قرآن حکیم کے نزدیک مشاہدۂ فطرت کا بنیادی مقصد انسان میں اس حقیقت کا شعور اُجاگر کرنا ہے جس کے لئے فطرت کو ایک آیت یا نشانی قرار دیا گیا ہے مگر مقام غور تو قرآن کا تجربی رویہ ہے جس نے مسلمانوں میں واقعیت کا احترام پیدا کیا اور یوں انہیں بالآخر عہد جدید کی سائنس کے بانی کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اسلام نے مسلمانوں

میں تجربی روح اس دور میں پیدا کی جب خدا کی جستجو میں مرئی کو بے وقعت سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ (تجدید فکریات اقبال۔ انگریزی خطبات کا اُردو ترجمہ)

لیکن یہاں اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہئے کہ تکوینی نظام کے مطالعے کے ساتھ ساتھ علم کا ایک ذریعہ انفس میں غور کرنا ہے۔ قرآن حکیم انفس اور آفاق دونوں میں غور و فکر کا داعی ہے۔ وحی الٰہی علم کا معتبر ترین ذریعہ ہے جو مذہب کی بنیاد ہے۔ علامہ اقبال دونوں ذرائع علم کی اہمیت پر زور دیتے ہیں تاکہ ان ذرائع سے حاصل کیے ہوئے علوم کی بنیاد پر زندگی میں توازن، تنظیم اور معنویت برقرار رہے۔ اس لحاظ سے اقبال مذہبی مشاہدے کو تمام دیگر تجربوں پر فوقیت دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں:

> اس میں شک نہیں کہ علم الٰہی کے سرچشمے کے طور پر مذہبی مشاہدہ تاریخی اعتبار سے اس مقصد کے لئے کیے گئے انسانی تجربے کی دیگر صورتوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ قرآن جو انسانیت کی روحانی زندگی میں اختیاری رویے کو ایک امر لازم تصور کرتا ہے، حقیقت مطلقہ کے علم کے حصول میں انسانی تجربے کے تمام پہلوؤں کو برابر اہمیت دیتا ہے جس حقیقت کی علامات انسان کے ظاہر اور باطن میں منکشف ہوتی رہتی ہیں۔ حقیقت کو جاننے کا ایک طریقہ تو بالواسطہ ہے جس میں وہ بذریعہ حواس ہم سے سابقہ رکھتی ہے اور ادراک بالحواس سے اپنی علامات ہم پر منکشف کرتی ہے۔ تاہم دوسرا طریقہ حقیقت سے براہ راست تعلق کا ہے جو ہمارے اندرون میں ہم پر انکشاف کرتی ہے۔ قرآن کے مطالعہ فطرت پر زور دینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا فطرت سے گہرا تعلق ہے، فطرت کی قوتوں کو مسخر کرتے وقت غلبہ محض کے بجائے اس مقصد کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ روحانی زندگی اعلیٰ مدارج کمال کی طرف آزادی سے بڑھ سکے لہٰذا حقیقت کا ایک مکمل وقوف حاصل کرنے کے لئے ادراک بالحواس کے پہلو بہ پہلو دل جسے قرآن قلب یا فواد کہتا ہے کے مشاہدات سے بھی کام لینا چاہئے۔ (ایضاً)

مغربی فکر کی بنیاد استقرائی طرز فکر ہے اور بقول علامہ اقبال یہ اسلامی ثقافت کی توسیع ہے۔ اہل مغرب نے تسخیر فطرت کے میدان میں محیر العقول ترقی کی ہے۔ ان کی سائنسی دریافتوں

اور ایجادات سے بنی نوع انسان نے گراں قدر فائدہ اُٹھائے ہیں۔ تسخیر فطرت بھی بنی آدم کا نائب خدا ہونے کی حیثیت سے ایک اہم فریضہ ہے اور اس سے انسان کو قوت اور طاقت ملی ہے۔ کرۂ ارض پر باقی تمام مخلوقات پر اس کی برتری قائم ہوگئی ہے۔ لیکن تسخیر فطرت کا یہ مطلب نہیں کہ انسان فطرت کا حلیہ بگاڑ دے اور اپنے مقاصد اور اغراض کے لئے کائنات میں بسنے والی دیگر مخلوقات اور نباتات کے حقوق پائمال کر دے اور اس طرح انسان اپنے لئے بھی مسائل پیدا کر دے۔ اہل مغرب نے مذہب اور اخلاقیات کے الوہی اُصولوں کو ترک کر دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سائنس ان کے تمام مسائل کو حل کر دے گی۔ ان کے لئے خوشیاں اور اطمینان لائے گی اور یہ دنیا سکھ اور راحت کا گھر بن جائے گی۔ اس خیال خام کی وجہ سے اُنہوں نے فطری سائنس کے مختلف میدانوں اور شعبوں میں تحقیقات پر زور دیا۔ سائنس نے ان کو طاقت عطا کر دی جس کی بدولت اُنہوں نے ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں کو غلام بنالیا۔ ان کی دولت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ ان کی زرعی پیداوار میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ انڈسٹری میں ترقی کی وجہ سے وہ دنیا کی معیشت پر چھا گئے۔ جدید جنگی ہتھیاروں کی تجارت نے ان کے ملکی وسائل میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اُنہوں نے کئی مہلک اور متعدی امراض کا علاج بھی دریافت کرلیا۔ لیکن زندگی اور حقیقت کے صرف ظاہری پہلوؤں پر توجہ کرنے سے زندگی میں حقیقی خوشی نصیب نہیں ہوسکتی۔ یورپ کی اس فکر میں توانائی اور کشش ضرور تھی اس لئے یہ پوری دنیا میں پھیل گئی لیکن بتدریج اس یک طرفہ فکر کے بھیانک نتائج سامنے آنے لگے۔ زندگی کا نصب العین مادّی لذات کا حصول قرار پایا۔ زندگی اعلیٰ انسانی اوصاف اور اخلاقی قدروں سے خالی ہوتی چلی گئی۔ سائنس کی ترقیوں نے انسانی بہبود اور امن کے مقاصد کی آبیاری کرنے کے بجائے سماجی انتشار، انسانی استحصال اور قوموں کے مابین جدل و جنگ کے امکانات کو تیز کر دیا۔ اس جدید فکر نے سب سے پہلے اہل مغرب کو مبتلائے عذاب کیا اور اس کے بعد اس کے اثرات باقی دنیا میں بھی پھیل گئے۔ سائنس ترجیح اوّل بن گئی اور فنونِ لطیفہ کی ثانوی حیثیت ہوگئی اور اخلاقیات کی الوہی اساس ختم ہوگئی۔ اخلاقی قدریں اضافی حیثیت اختیار کر گئیں۔ حضرت عیسیٰ d کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ رحم، عفو و درگذر، زر و مال سے استغنا، محبت و ہمدردی قصہ ہائے پارینہ ہوگئے۔ اس ذہنی تبدیلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ

خاندانی نظام منتشر ہو گیا۔ شادی کا تقدس ختم ہو گیا بلکہ شادی اور بچوں کو ایک بوجھ تصور کیا جانے لگا۔ عریانی اور جنسی بے راہ روی عام ہو گئی۔ لوگوں میں مہر و محبت اور وفا و عشق کے جذبے سرد پڑ گئے۔ علم میں اضافہ تو بہت ہوا لیکن علم ایک کاروبار بن گیا بلکہ جدید سائنسی علم خطرناک ہو گیا۔ وِل ڈیورنٹ (WILL DURANT) لکھتا ہے:

''دورِ حاضر کی ہماری ثقافت سطحی اور ہمارا علم خطرناک ہے کیونکہ ہم میکانکیت سے تو مالا مال ہیں لیکن مقاصد میں نہایت کمزور ہیں۔ ذہن کا توازن جو پرتپاک مذہبی یقین سے آیا تھا، رخصت ہو چکا۔ سائنس نے ہم سے اخلاقیات کی مافوق الفطرت اساس چھین لی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ غیر منظّم انفرادیت پسندی نے تمام دنیا کو نگل لیا ہے۔ اس سے ہمارے کریکٹر کے انتشار اور بدنظمی کی عکاسی ہوتی ہے۔''

علامہ اقبال نے اس فکرِ جدید کی ہولناکیوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

؎ وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اُسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

الوہی علوم کے سرچشموں سے منہ موڑنے اور ماضی کے اخلاقی ورثے سے دست بردار ہونے کا یہ نتیجہ بھی نکلا کہ حرص و آز اور طلب زر کی خواہشات نے ذہن انسانی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جائز و ناجائز کی تمیز اُٹھ گئی۔ انفرادی اور قومی سطح پر اپنی مقبوضات میں توسیع کرنے کا جنون ہو گیا۔ سرمایہ داری نظام نے اپنے پنجے گاڑ لئے۔ انسان مشینوں کا خالق تھا لیکن وہ مشینوں کا محکوم اور غلام بن گیا۔ مشینیں اور ایجادات غالب آ گئیں اور انسان ان کے نیچے دب گیا۔ انسان جذبات و احساسات سے تہی دل ہو کر خود ایک مشین بن گیا۔ کھلے میدانوں میں سرسبز و شاداب کھیتوں میں زندگی گزارنے والا انسان فیکٹریوں کے تنگ و تاریک ماحول کے دھوئیں میں سانس لینے لگا۔ فطرت کا حسن و جمال دھندلا گیا۔ لوہے اور دھاتوں کا راج ہو گیا۔ اقبال میکانکی سرمایہ دارانہ ثقافت کی اس طرح منظر کشی کرتے ہیں:

؎ یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

دانائے راز اقبال نے فیضانِ سماوی سے محروم اس مغربی فکر کی ہولنا کیوں کو بھانپ لیا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ مادیت پرستی کی شکار اقوام نیشنلزم کے نشے میں چور ہیں۔ حریفانہ کش مکش ایک ہولناک تصادم پر منتج ہوگی۔ سائنسی مشینوں اور جدید آلات جنگ کے گھمنڈ نے پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم میں تباہ کاریوں کے ریکارڈ قائم کر دیے۔ ایک اندازے کے مطابق پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ اور دوسری جنگ عظیم میں پانچ کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔ یہ ہے دانش یورپ کا اعجاز! یہ ہے سائنسی کمالات کا ماحاصل! یہ ہلاکتیں تو فوری نتیجہ تھا لیکن ان جنگوں کے دوررس اثرات اور بھی بھیانک تھے۔ بچی ہوئی آبادی کی نفسیات ہی بدل گئی۔ زندگی قدر و قیمت کھوگئی، انسان بہت ارزاں معلوم ہونے لگے۔ زندگی غیر محفوظ ہوگئی۔ ہر انسان سمجھنے لگا کہ وہ جنگ میں جھونکنے کے لئے آئندہ نسل پیدا کر رہا ہے۔ رہبانیت نئے رنگ میں آ گئی۔ منشیات میں مستغرق نوجوانوں نے زندگی کی حقیقتوں سے منہ موڑ لیا۔ اہل مغرب نے آج سے زیادہ حظ حاصل کرنے کے لئے جسمانی اور حسی راحتوں کو نصب العین بنالیا۔ ان جنگوں میں اہل مغرب نے کوئی سبق نہ سیکھا۔ اُنہوں نے پہلے سے زیادہ خطرناک ہتھیاروں کی ایجاد کے لئے تگ و دو شروع کردی اور اس جنون کو پوری دنیا میں پھیلانے کا عزم کرلیا۔ حسی و مادی تہذیب کی ظاہری چمک دمک نے بنی نوع انسان کی کثیر آبادیوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اہل یورپ اپنے سماجی مسائل حل کرنے میں ناکام ہوگئے تو اُنہوں نے اپنی فکر چالاک کو غریب اور کمزور قوموں پر مسلط کر دیا۔ افریقہ و ایشیا اور لاطینی امریکہ کے ممالک میں غربت، جہالت اور بیماری کے بے شمار مسائل ہیں لیکن کیا معاشی آسودگی کے باوجود مغرب کا ایک عام انسان اندرونی طور پر خوش اور مطمئن ہے؟ کیا

وہاں خاندانی نظام مستحکم ہے؟ کیا وہاں کے بوڑھے لوگوں کی زندگی مجلسی تقاضوں سے مزین ہے؟ وہاں کی عورت آزادیٔ فکر اور آزادیٔ عمل سے بہرہ ور ہے؟ کیا وہ احترام اور عزت کی نگاہ سے بھی دیکھی جاتی ہے؟ کیا وہاں بچوں کی صحیح نگہداشت کی جاتی ہے، ان کو والدین کی شفقت و محبت اور توجہ حاصل ہے؟ یورپ میں بلاشبہ علم کا بہت چرچا ہے لیکن کیا علم کا حصول آسان سستا ہے؟ کیا یورپ کے علوم نے انسان میں اعلیٰ محاسن کو پیدا کیا ہے؟ بڑے بڑے شہروں کی مارکیٹوں میں خوب چہل پہل ہے لیکن ہر انسان تنہائی محسوس کرتا ہے، ہر ایک کا وقت قیمتی ہے، کوئی پرسانِ حال نہیں، کوئی محرمِ راز نہیں اور کوئی سچا غمگسار نہیں۔ صرف حسی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ ظاہر روشن ہے اور باطن تاریک ہے اور زندگی معنویت کی تلاش میں ہے۔

عالمی سطح پر دانش مغرب پھیل چکی ہے اور برگ و بار لا رہی ہے۔ قوموں نے خطرناک ہتھیار ایجاد کر لیے ہیں اور معاشی ترقی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے ہر قسم کے حربے استعمال ہو رہے ہیں۔ طاقت ور اقوام نے امن عالم کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ سائنسی ایجادات کے بل بوتے پر جہاں اپنا مفاد نظر آتا ہے وہیں حملے کر دیے جاتے ہیں۔ جدید آلات اور مواصلات کے ذرائع کی برتری فیصلہ کن حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ مذہب اور اخلاقیات سے عاری فکر، امن عالم کو تہس نہس کر سکتی ہے کیونکہ یہ فکر احترامِ آدمیّت اور آخرت کی جوابدہی کے تصور سے خالی ہے۔ پاکستان، افغانستان، مشرقِ وسطیٰ اور دنیا کے کئی اور خطوں میں قتل عام جاری ہے۔ اس قتل عام کا کون ذمہ دار ہے؟ اگر کوئی حقیقت سے پردہ اُٹھاتا ہے تو اسی کو ہی موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ اقبال نے سچ فرمایا تھا:

؎ عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

سمٹتی اور سکڑتی دنیا آگ کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اس خوفناک منظر کی ذمہ داری سائنسی علوم پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ اس کی ذمہ دار وہ فکر ہے جو صرف ادراک بالحواس کو ذریعہ علم قرار دیتی ہے۔ حقیقت تک براہِ راست رسائی کا ذریعہ علم، دل و وجدان بھی ہیں۔ روزن دل کھل جائے اور وحی الٰہی پر ایمان پختہ ہو جائے جس کا سلسلہ حضرت آدم d سے شروع ہوا تھا تو سائنسی علوم

بھی باعث معرفت حق ہو سکتے ہیں کیونکہ سائنسی علوم کے ذریعے سے حقیقت کے مجازی لباس تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ سائنسی علوم ہوں یا سماجی علوم اگر ان کا استعمال اعلیٰ انسانی اُصولوں کے مطابق کیا جائے تو یہ علوم روشنی اور نور مہیا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال اپنے مرشد جلال الدین رومی m سے رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

؎ چشم بینا سے ہے جاری جوئے خون
علم حاضر سے دین زار و زبوں!

پیر رومی جواب دیتے ہیں:

؎ علم را برتن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

''علم کا مقصد اگر تن پروری ہو تو وہ سانپ بن جاتا ہے اگر علم کو قلب کی صفائی کے لئے استعمال کیا جائے تو وہ دوست بن جاتا ہے۔''

موجودہ دنیا کو پیر رومی اور اقبال کی ضرورت ہے جو کائنات کی روحانی تعبیر کے قائل ہیں۔ دونوں مفکرین مذہب اور سائنس میں ہم آہنگی تلاش کرتے ہیں۔ دونوں اُمید اور رجائیت کے پیغامبر ہیں مولانا رومی نے ڈارون سے بہت پہلے حیاتیاتی نقطہ نظر سے وحدت فطرت اور وحدت تخلیق کا نظریہ پیش کیا لیکن دونوں کے نظریات میں بہت فرق ہے۔ ڈارون کا ارتقائی نظریہ، تخلیق انسان کو ارتقاء کی آخری حد قرار دیتا ہے جب کہ مولانا رومی انسان کی بقائے دوام کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہی مصدرِ حیات و کائنات ہے اور انسان کا ارتقاء بھی جاری و ساری رہتا ہے، (اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا) کی رو سے انسان اپنے خالق کی طرف لوٹتا ہے۔ موت کے بعد زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ نئے ماحول اور نئے زمان و مکان میں داخل ہو جاتی ہے۔ مولانا رومی کا حیاتیاتی ارتقاء کا نظریہ جوش و ولولے سے معمور، نہ ختم ہونے والی زندگی کا تصور دیتا ہے۔ وہ اپنے نظریے کو اس طرح منظوم کرتے ہیں:

آمدہ اوّل باقلیم جماد و ز جمادی در نباتی اوفتاد
سال ہا اندر نباتی عمر کرد و ز جمادی یاد نآورد از نبرد

و ز نباتی چوں بحیوانی فتاد   نآیدیشن حال نباتی ہیچ یاد
جز ہمیں میلی کہ درسوئے آن   خاصہ در وقت بہار خمیراں
ہمچو میل کودکاں با مادراں   سر میل خود نداند در لباں
ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت   تاشد اکنوں عاقل و دانا و زفت
عقل ہائے اولینش یاد نیست   ہم ازیں عقلش تحول کرد نیست

''سب سے پہلے انسانی زندگی جمادات کی اقلیم میں آئی اوراس کے بعد نباتات کی دنیا میں وارد ہوئی سالوں تک حیاتِ انسانی اس نباتاتی حالت میں رہی یہاں تک کہ جماداتی حالت کے اثرات سے آزاد ہوگئی پھر نباتاتی حالت سے انسانی زندگی حیوانی حالت میں آئی اور سال ہا سال اس حالت میں رہی۔ حیوانی زندگی کے دوران میں اُس کی رغبت نباتاتی زندگی کی طرف نظر آتی ہے، جب بہار کے موسم میں خوش نما اور روح پرور پھولوں کو دیکھ کر وہ ان سے اپنی محبت اسی طرح چھپا نہیں پاتی جس طرح بچے ماں سے محبت کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے۔ پھر خدا نے انسانی زندگی کو حیوانی سطح سے بلند کر کے اُسے انسانی زندگی عطا کی اوراس طرح انسان فطرت کے ایک نظم سے نقل کر کے دوسرے دائرے میں داخل ہوا۔ پھر اسے علم کی فضلیت دے کر حکمت عطا کی اور وہ عقل رکھنے والا، جاننے بوجھنے والا اور مضبوط شخصیت رکھنے والا بن گیا۔ جس حالت میں کہ وہ اب ہے، اب اُسے گزری ہوئی زندگی کا کچھ قصہ یاد نہیں مگر اسے ایک بارنفس کی موجودہ حالت میں لایا جائے گا۔''

جلال الدین رومی m نے حیاتیاتی مستقبل کے نظریے کو اپنی مثنوی میں کئی اور مقامات پر بھی بیان کیا ہے۔ ان کے اشعار کی انگریزی میں ترجمانی کرتے ہوئے NANIKRAM VASANMAL THADANI نے درج ذیل اشعار کہے اقبال نے ان کو ایک خطبے میں درج کیا ہے:

"low in the earth
I lived in real realm of ore and stone;
And then I smiled in many tinted flowers;

Then roving with the wild and wandering hours;
Over earth and air and ocean's zone;
In a new birth
I dived and flew
And crept and ran,
And all the secrets of my essence drew
Within a form that brought them all to view
And Lo, a Man!
And then my goal,
Beyond the clouds, beyond the sky,
In realms where none may change or die
In angel form; and then away
Beyond the bounds of night and day,
And life and death unseen or seen,
Where all that is hath ever been
As one and whole"

علامہ اقبال اپنے مرشد مولانا رومی m کی طرح انسان کے حیاتیاتی مستقبل کے لئے پر جوش اور پر اُمید ہیں۔ وہ بھی وحدتِ فطرت اور وحدتِ تخلیق کے قائل ہیں مثلاً ایک شعر میں وحدتِ فطرت کے خیال کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:

؎ کمالِ وحدت عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تو جو چھیڑے
یقین ہے مجھ کو گرے رگِ گل سے قطرہ انسان کے لہو کا

تہذیب حاضر نے انسان کو حیوانی سطح پر لا کھڑا کیا ہے۔ ڈارون کے نظریے پر یقین رکھنے والے حیوانات سے زیادہ قربت محسوس کرتے ہیں، وہ پالتو جانوروں کی معیت میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ وہ اس چند روزہ زندگی کو ہی زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ موت سے وہ کالعدم ہو جائیں گے، وہ رزق زمین بن جائیں گے اور بس۔ اس قسم کے انسان جوں جوں بوڑھے ہوتے جاتے ہیں ان میں بوریت، تھکاوٹ اور مایوسی بڑھتی جاتی ہے اور وہ کئی نفسیاتی عوارض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ فکر حاضر نے بلاشبہ انسان کی مادّی ضروریات کو حل کرنے پر زور دیا ہے۔ بھوک، افلاس اور بیماری پر قابو پانے کے لئے تگ و دو کے راستے بتائے ہیں لیکن امیر اور

غریب ملکوں میں معاشی تفاوت بڑھتا جا رہا ہے۔ اسی طرح پسماندہ اور غریب ملکوں میں عوام الناس کی اکثریت بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے۔ غریب کی زندگی دُکھ بھری ہوتی ہے۔ غریب عوام تفکرات میں گھرے رہتے ہیں۔ اُن کی صحت گر جاتی ہے۔ بیماری کے علاج کی سہولتیں نہیں ہوتیں۔ یہ درست ہے کہ غربت بہت تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن روحانی خلا بہت بڑا عذاب ہے، ترقی یافتہ ملکوں میں کھاتے پیتے افراد بھی ناخوش ہیں، اُن کے مسائل کی نوعیت مختلف ہے، اُن کی اکثریت کو پرسکون گھر میسر نہیں ہے۔ عائلی زندگی کا شیرازہ بکھیر چکا ہے، بے پناہ مصروفیت، ایک دوسرے کے حالات سے بے اعتنائی، مادّی اور حسی لذتوں کے حصول کے لئے باہمی مقابلہ و مسابقت، میکانکی طرزِ حیات سے بوریت اور تھکاوٹ (BOREDOM & FATIGUE) اور اپنے ہی انبائے جنس سے خوف زدہ ہونے کے MANIA سے موجودہ انسان بے حد پریشان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دانش حاضر نے انسان کو اس کے روحانی وجود سے غافل کر دیا ہے۔ علامہ اقبال نے فرنگی تہذیب کے بارے میں کہا تھا:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

برطانوی فلاسفر برٹرنڈ رسل (BERTRAND RUSSELL) نے بھی تہذیب حاضر کے شکار موجودہ انسان کو ناخوش اور افسردہ قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

''حیوانات اس وقت تک خوش رہتے ہیں جب تک وہ صحت مند ہیں اور ان کے کھانے پینے کے لئے کافی کچھ ہے۔ بظاہر نظر آتا ہے کہ انسان بھی اسی طرح خوش ہوں گے لیکن انسانوں کی اکثریت کا یہ حال نہیں ہے۔ اگر آپ خوش نہیں ہیں تو آپ کو یہ حقیقت تسلیم کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہوگا کہ صرف آپ ہی ایسے انسان نہیں..... انسانوں کے چہروں سے ان کی باطنی اداسی اور افسردگی عیاں ہوتی ہے ..... ہر ہجوم کی اپنی پریشانیاں ہیں۔''

نظریاتی لحاظ سے سائنسی ترقی انسان کی خوشی میں رکاوٹ نہیں ہے۔ سائنس کو مثبت انداز سے دیکھا جائے اور سائنسی ایجادات کو انسان کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے تو سائنسی علوم زندگی کو خوش گوار اور راحت بخش بنا سکتے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ اور یہ رویہ روحانی تعبیر حیات کے بغیر ناممکن ہے۔ روحانی تعبیر حیات و کائنات سے زندگی معنویت سے معمور ہو جاتی ہے۔ انسان مادّیت سے بلند ہو کر اعلیٰ نصب العین کی نو بانو تجلیات میں زندگی بسر کرتا ہے جس سے اس کے دل میں مسرت کا ایک عمیق احساس سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تعبیر سے انسانی وحدت اور بین المذاہب ہم آہنگی اور انسان دوستی کے تصورات پھوٹتے ہیں۔ اس مقام پر سائنس اور مذہب ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ قومی دہشت گردی ہو یا جماعتی دہشت گردی، عسکریت پسندی اور مذہبی انتہا پسندی ہو یا مادیت پرستی اور لادینیت ان سب کا علاج روحانی تعبیر حیات و کائنات میں ہے۔ علامہ اقبال اپنے ایک خطبے میں فرماتے ہیں:

> ''انسانیت کو آج تین چیزوں کی ضرورت ہے: کائنات کی روحانی تعبیر، فرد کا روحانی استخلاص اور عالم گیر نوعیت کے بنیادی اُصول جو روحانی بنیادوں پر انسانی سماج کی نشو ونما میں رہنما ہوں۔''

روحانی تعبیر حیات سے مراد ہے کہ زندگی کا سرچشمہ اللہ ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن اس طرح نہیں جس طرح دریا میں موجیں اور سمندر میں لہریں بلکہ اس طرح جس طرح سمندر میں موتی ہوتے ہیں۔ انسان کا مقدر فنا نہیں بلکہ بقا ہے اور موت کے بعد روح انسانی اپنی انفرادی حیثیت سے اپنے اعمال کے بل بوتے پر نئی دنیا میں داخل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا عالم امر سے تعلق ہے، اس کا ارتقاء بھی جاری رہتا ہے۔ فرد کے روحانی استخلاص سے مراد ہے فرد کو ہر قسم کی توہم پرستی و شرک، پاپائیت اور ملائیت سے نجات دلانا تاکہ انسان رب العالمین سے براہِ راست اپنا تعلق قائم کرے، وہ رب جو اس کی شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ عالم گیر بنیادی اُصول انسانی وحدت، انسانی مساوات، احترامِ آدمیّت اور اجتماعی عدل سے عبارت ہیں انہی سے انسانی سماج پائیدار امن اور متوازن ترقی حاصل کر سکتا ہے۔

احیائے سنت نبوی ﷺ

ضمیر اختر خان

zamirakhtarkhan@yahoo.com

ہمارے ہاں دین کے احکام پر عمل کرنے کے حوالے سے فقہاء کرام نے ایک ترتیب قائم کی ہے۔اس میں سب سے پہلے فرائض کا بیان ہوتا ہے پھر واجبات کا اور اس کے بعد سنتوں کا ذکر ہوتا ہے۔علاوہ ازیں نوافل و مستحبات کی بھی تفصیل کتب فقہ میں ملتی ہے۔اس تقسیم کی حکمت ہے۔اس میں آسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ دین پر عمل کرتے ہوئے کوئی دِقت محسوس نہ ہو۔البتہ اس تقسیم سے ایک غلط فہمی پیدا ہوئی ہے جس کا ازالہ ہی اس مضمون کو تحریر کرنے کا محرک ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کی توفیق ارزانی فرمائے۔آمین۔

وہ غلط فہمی یہ ہے کہ سنت کا فرائض سے تقابل کر کے سنت کو فرائض سے کم تر چیز سمجھ لیا گیا ہے۔یعنی کوئی شخص اگر فرائض کا التزام کرتا ہے، واجبات بھی ادا کرتا ہے اور سنتوں کا اہتمام نہیں کرتا تو اس سے اس کے دین وایمان پر کوئی حرف نہیں آتا۔اس غلط فہمی کے بڑے دُوررس نتائج نکلے ہیں۔ایک طرف نبی ﷺ کی کامل اطاعت اور والہانہ اتباع کا جذبہ ماند پڑ گیا اور دوسری طرف دین کے حصے بخرے ہو گئے۔دین جو ایک وحدت کی حیثیت سے نبی ﷺ نے صحابہ j کو منتقل کیا تھا وہ ٹکڑوں میں بٹ گیا۔مزید براں سنت کی پیروی سے مسلمانوں میں جو ثقافتی وتہذیبی یک رنگی پائی جاتی تھی وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گئی، جس کا رونا علامہ اقبال نے اپنے مخصوص انداز میں یوں رویا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

سنت کے حوالے سے یہ غلط فہمی دورِ صحابہ میں نہیں تھی۔ وہاں رسول ﷺ کی پیروی کا زبردست اہتمام تھا۔ جو احکام نبی ﷺ کی طرف سے ملتے تھے ان کی بجا آوری میں صحابہ ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ کسی حکم کی تعمیل میں مشکل پیش آتی تو فوراً نبی ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ صحابہ نبی ﷺ کی زندگی کا بغور مشاہدہ کرتے تھے اور آپ کے ہر عمل کی نقل کرتے تھے، قطع نظر اس کے کہ نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے کہ نہیں۔ اس ضمن میں بعض صحابہ کے واقعات کا تذکرہ قلب و روح کو منور کرنے کے لیے انتہائی مفید ہوگا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر h کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، اتفاق سے نبی ﷺ کا گزر ایک خاص درخت کے نیچے سے ہوا، لیکن ابن عمر h نے ہمیشہ کے لیے لازم کرلیا کہ جب کبھی ان کا گزر اس راستے سے ہوتا تو وہ اس درخت کے نیچے سے ہو کر گزرتے تھے، حالانکہ انہیں نبی ﷺ کی طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اور شریعت کے لحاظ سے آپ ﷺ کے یہ اعمال واجب التعمیل بھی نہیں تھے۔ اسی طرح ایک اور صحابی کا ذکر ملتا ہے جو کسی دور دراز علاقے سے آ کر نبی ﷺ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو بس اسی ایک موقع پر دیکھا تھا اور اتفاق سے اس وقت نبی ﷺ کا گریبان کھلا تھا۔ آپ ﷺ کو کھلے گریبان کے ساتھ دیکھ کر ان صحابی h نے پھر ساری عمر اپنے گریبان کے بٹن نہیں لگائے اس لیے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو اسی حال میں دیکھا تھا، حالانکہ نبی ﷺ کی طرف سے انہیں ایسا کوئی حکم تو کجا، کسی ادنیٰ درجے اشارہ تک نہیں کیا گیا، اور شریعت کی رو سے یہ نہ فرض ہے نہ واجب، لیکن یہ محبت کے لوازم میں سے ہے کہ محبوب کے ہر نقش قدم کی پیروی اور ہر ادا کی نقالی اپنے اوپر لازم کرلی جائے۔ اسی طرز عمل کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں اِتباع ہے۔

سنت کی علماء نے جو تعریف کی ہے اس کی رو سے نبی ﷺ کے اعمال و افعال، ارشادات اور آپ کے سامنے جو اعمال صحابہ کرام نے انجام دیے اور ان پر نبی ﷺ نے کوئی روک ٹوک نہیں کی بلکہ خاموشی اختیار فرمائی، یہ سب مل کر سنت کہلاتے ہیں۔ یوں نبی ﷺ کی حیات

طیبہ مجموعی طور پر سنت نبوی یا اسوۂ حسنہ قرار پا گئی۔ یہی وجہ ہے خود نبی ﷺ نے تلقین فرمائی ہے کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامنا۔ کیونکہ خلفائے راشدین مہدیّین کی سنت نبی ﷺ کی سنت ہی کا تتمہ ہے۔ اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی کے ساتھ ساتھ صحابہ کی بالخصوص خلفائے راشدین کی زندگیاں اُمت کے تمام افراد کے لیے واجب الاتباع ہیں۔

فقہی اعتبار سے جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے تعبدی امور اور معاشرتی وتمدنی آداب میں نبی ﷺ کی رہنمائی۔ اس قسم کی سنتوں کا جب ذکر ہوتا ہے تو احادیث کا انداز بیان عموماً یہ ہوتا ہے کہ انہیں "من سنتی" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے: [النکاح من سنتی] نکاح میری سنت میں سے ہے۔ جب لفظ "سنت" ایک دینی اصطلاح، ایک وحدت اور مجموعی اعتبار سے بولا جائے گا تو اس کا مفہوم ہوگا نبی ﷺ کا طریقہ، آپ کا طرز عمل اور بحیثیت مجموعی زندگی کے معمولات میں آپ کا قائم کردہ توازن۔ یعنی وہ نسبت وتناسب جو نبی ﷺ نے معمولات زندگی کے مابین برقرار رکھا۔ اس اعتبار سے آغاز وحی سے لے کر حیات دنیوی کے اختتام تک نبی ﷺ کی حیات طیبہ کو مجموعی طور پر سنت رسول ﷺ کہا جائے گا۔ چنانچہ اسی مجموعی سنت کے بارے میں سو شہیدوں کے برابر اجر وثواب کی خوشخبری سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت میں ہے، جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید۔ جب میری امت میں فساد عمومی ظاہر ہو چکا ہو، اس وقت جو شخص میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رہے گا تو اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔ اجزائے سنت کی اہمیت اور ان کا ثواب اپنی جگہ ہے مگر سو شہیدوں کے مساوی ثواب کی جو بشارت اس حدیث میں دی گئی ہے وہ نبی ﷺ کے پورے طریقے کو تھامنے سے متعلق ہے۔ اس حوالے سے فرض بھی سنت کا جزو بن جائے گا۔ ویسے فرض فقہی اعتبار سے تو سنت سے بالا تر ہے، لیکن جب نبی ﷺ کے طریقے کو بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اس میں فرائض بھی شامل ہیں، اس میں نوافل بھی ہیں، اس میں معمولات شب وروز بھی ہیں، جلوت وخلوت بھی ہے اور شمائل بھی ہیں۔ اسی کا دوسرا نام اسوۂ حسنہ ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة

(الاحـــزاب)یعنی اے مسلمانو! رسول ﷺ کی پوری زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔اس سنت یا اسوۂ حسنہ کے دو حصے ہیں۔

پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے ذاتی تعلق پر مشتمل ہے یعنی آپ اللہ تعالیٰ کے کامل بندے ہیں۔آپ ﷺ عبدیت کاملہ کے مظہراتم ہیں۔یہ عبدیت آپ کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے۔زندگی کے ہر گوشے میں سب سے غالب عنصر عبدیت کا ہے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں کھانا غلاموں کی طرح بیٹھ کر کھاتا ہوں۔آپ کی پوری حیات طیبہ پر اولین اور نمایاں ترین چھاپ اسی عبدیت کی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ عبدیت اس برف کے تودے (Iceberg) کے مانند ہے کہ جس کا بہت بڑا حصہ پانی میں چھپا ہوتا ہے،بس تھوڑا سا حصہ (Tip) نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔رات کی تاریکیوں اور تنہائیوں میں ''عبداللہ'' (ﷺ) اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہوتا تھا،وہ بات ہی کچھ اور تھی۔اس عبدیت کی وہ کیفیات بھی ہیں جن کو آپ ﷺ نے یوں بیان فرمایا ہے:انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی ۔میں تو اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔اسی طرح ایک عظیم ماثور دعا میں آپ نے اپنی زبان مبارک سے اپنی نسبت عبدیت کا اظہار یوں فرمایا ہے: اللھم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك فی قبضتك ناصیتی بیدك ماض فیّ حكمك عدل فیّ قضائك ۔۔۔اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں۔تیرے ناچیز غلام اور ادنیٰ کنیز کا بیٹا ہوں۔مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے اور میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔میرے بارے میں تیرا ہر حکم نافذ ہے اور تیرا ہر فیصلہ میرے معاملے میں عدل ہے۔

سنت رسول ﷺ کا دوسرا بڑا حصہ کل کا کل ظاہر ہے،نمایاں ہے اور آنکھوں کے سامنے بالکل عیاں ہے۔یہ ہے سنت دعوت،سنت تبلیغ،سنت انذار وتبشیر،سنت شہادت علی الناس،سنت غلبہ دین،سنت تکبیر رب،سنت اعلائے کلمۃ اللہ،سنت ہجرت اور سنت جہاد وقتال۔سنت کا یہ پہلو عظیم ترین اور متواتر ہے۔اس کو ایک نام دیا جائے تو وہ سنت رسالت ہے۔جس طرح آپ ﷺ ایک عبد کامل ہیں اسی طرح آپ رسول کامل بھی ہیں۔آپ انسانیت کی معراج ہیں تو نبوت و رسالت کی بھی معراج ہیں۔آپ کی شخصیت میں عبدیت کاملہ اور نبوت ورسالت کاملہ کے دونوں نمونے جمع ہو گئے ہیں اور ان

دونوں کے ساتھ تمسک نجات کے لیے ضروری ہے اس لیے کہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

آغاز وحی سے لے کر حیات دنیوی کے آخری سانس تک آپ ﷺ کی زندگی اسی سنت اور اسی طریق کے محور کے گرد گھوم رہی ہے۔اس میں دعوت،تبلیغ،امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دین حق کو سربلند کرنے کی سعی وجہد ہے۔اس سنت پر عمل کے دوران آپ کا تمسخر اڑایا جارہا ہے، پتھروں کی بارش ہورہی ہے،معاشی ومعاشرتی مقاطعہ ہورہا ہے اور مجاہدہ وکشمکش یہاں تک کہ تصادم ہورہا ہے اور ایک وقت آیا کہ گھر بار بھی چھوڑنا پڑا۔اسی سنت کی تکمیل کے لیے آپ نے قتال بھی کیا اور زخم بھی کھائے۔اپنے عزیز ترین جاں نثاروں کے تڑپتے اور مثلہ شدہ لاشے دیکھے۔اسی کی تکمیل کے لیے آپ ﷺ نے لوگوں سے مدد بھی مانگی۔اسی کی پیروی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت سے تعبیر فرمایا ہے۔اس لیے کہ فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں جو شخص رسول کا حامی، مددگار اور دست وبازو بنتا ہے،اس راہ میں جانفشانی اور سرفروشی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی جان و مال کھپاتا ہے،وہ دراصل اللہ کے رسول کی نصرت بھی کررہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت میں بھی لگا ہوا ہے۔اس وقت دین چونکہ مغلوب ہے، روئے ارضی پر کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں جہاں نبی ﷺ کا لایا ہوا دین غالب ہو،ایسے میں نبی ﷺ کے اسوۂ کاملہ کی طرف اہل ایمان کو متوجہ کرنا اور سنت کے جامع تصور کو پھیلانا اور اس کے اختیار کرنے پر بشارتیں سنانا انتہائی ضروری ہے۔ہماری علمائے کرام سے بھی درخواست ہے کہ وہ اجزائے سنت کے ساتھ کل سنت کا بھی ابلاغ کریں۔

سطور بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت عبدیت اور سنت رسالت کو جمع کرنے سے سنت رسول ﷺ ایک وحدت کی حیثیت سے سامنے آئے گی۔اُمت مسلمہ کو موجودہ پستی سے نکالنے کے لیے ضروری ہے کہ سنت کے اس جامع تصور کا احیاء کیا جائے۔سنت کے تمام اجزا پر عمل کرنے سے سو شہیدوں کا ثواب حاصل ہوگا۔یہ کام آسان نہیں ہے۔بقول شاعر

؎ یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مگر اس پر جتنی بڑی خوشخبری حدیث میں سنائی گئی ہے،اس کو سامنے رکھا جائے تو پھر مشکل آسان ہوجائے گی۔ان شاء اللہ

ہمارے گھر، ہمارے تعلیمی ادارے
لارڈ میکالے کے خواب کی تعبیر

عبدالرشید ارشد

متحدہ ہندوستان کی سرزمین پر جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرچم تلے انگریز بہادر نے قدم رکھا تو سب سے پہلے ہندوستان کے سماجی و معاشرتی رویوں کا جائزہ لینا ضروری سمجھا گیا کہ ان کے مستقبل کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے یہ جائزہ بنیادی اہمیت کا حاصل تھا۔ سماجی و معاشرتی رویوں کو بنیاد فراہم کرنے میں علم کی اپنی اہمیت ہے اور اس وقت علم دینی مدارس کے ذریعے اپنا کردار ادا کر رہا تھا جائزے کے مطابق اس علم کے ہوتے ہوئے جن اقدار کی آبیاری ہو رہی تھی ان کی موجودگی میں کسی بھی ''انگریزی منصوبے'' کی دال گلنا ناممکن تھی لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی کہ ''متبادل روشن خیال علم'' کا تحفہ ہندوستان کو دیا جائے جو ایسے افراد تیار کرے کہ سلطنت برطانیہ کا سورج یہاں چمکتا رہے۔

لارڈ میکالے نے برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کے سماجی و معاشرتی اور علمی ماحول کا تجزیہ پیش ہو کرتے مستقبل کے لئے برطانوی حکومت کی تعلیمی پالیسی کے خدوخال بھی پیش کیے چنانچہ ہندوستان مین دینی مدارس کو ''چھیڑے'' بغیر جدید تعلیمی ادارے متعارف کرائے گئے۔ سب سے پہلا کالج کلکتہ میں شروع ہوا۔ پھر مسلمانوں میں بھی جدید تعلیم کا شوق پیدا ہوا تو علی گڑھ میں انگریزی در آئی۔ بعد کے ادوار میں ملک کے اندر انگریزی تعلیم کے لئے سکولوں اور کالجوں کا جال

پھیل گیا اور نئے انداز کی نسل تیار ہونے لگی جس سے برطانوی راج دن بدن ہندوستان میں مستحکم ہوا کہ انگریزی دان ملازمین بھارتی مفادات سے زیادہ برطانوی مفادات کے امین ثابت ہونے لگے، حکومت کو یہی مطلوب تھا۔

ولایت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ولایتی تہذیب وتمدن میں عملاً کئی سال گزار کر وطن واپس آنے والے بیرسٹر محمد علی جناح نے جب مکمل شعور وآگہی کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار کا مطالعہ ومشاہدہ کیا تو انہوں نے آزاد اسلامی مملکت کے لئے سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ہندوستان میں ہندو کی انگریز کے ساتھ ملی بھگت اور بظاہر کانگرس کی آزادی کے لئے تگ ودو کا بھی بنظر غائر مشاہدہ کیا۔ ہندو کی منافقت سے الگ رہتے مسلم لیگ کے پرچم تلے آزاد پاکستان کے لئے میدان عمل میں کودے تو پیش نظر خالص اسلامی ریاست تھی جس کا دستور قرآن و سنت پر مبنی ہو۔

> ''ایک آزاد اسلامی سلطنت کے بغیر اسلام کا تصور ہی باطل ہے، مسلمان کے نزدیک صحیح آزادی کا تصور یہ ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو معرض وجود میں لائے جو قرآن کریم کے ضابطہ خداوندی کی متشکل ہو.....مسلمان کے نزدیک ہر وہ نظام باطل ہے جو کسی انسان کا وضع کردہ ہو کیونکہ اس کے پاس ایک محکم دستور (قرآن) ہے جو اس کی ہر موقع پر اور ہر زمانے میں رہنمائی کر سکتا ہے۔'' (حیات قائداعظم صفحہ 252، چودھری سردار محمد عزیز)

آئین میں بڑی تگ ودو کے بعد اور پھر 31 علماء کے 22 نکات کو قرارداد مقاصد میں اسلامی تعلیمات کو سمونے کی کوشش کی گئی۔ مگر یہ ساری محنت آئین کی کتاب سے نکل کر عملی زندگی کے کسی بھی پہلو کو سنوارنے کے لئے استعمال نہ ہو سکی۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نظام معیشت بدستور سود پر استوار رہا تو نظام تعلیم بھی لارڈ میکالے کی سوچ اور محنت کا ہم نوا رہا۔ کسی حکمران نے نظام تعلیم کا قبلہ درست کرنے کی کوشش نہ کی ماضی کے پینسٹھ سالوں میں ہر حکمران نے اسلامی نظام تعلیم کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ نصاب تعلیم سے چن چن کر اسلامی خدوخال کے ''کانٹے'' نکالے گئے۔ کسی بھی احتجاج کو خاطر میں نہ لایا گیا کہ ''حقیقی ولی

النعمت'' امریکہ و یورپ یا قرض دینے والی IMF ایسا نہ چاہتے تھے۔

نصاب تعلیم کا حلیہ بگاڑ کر اسے اسلام سے دور کرنے میں حکومتی کردار کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

O لیول انگلش کے ایک سبق کا ترجمہ (ایک اقتباس)

''چھوڑتے ہوئے گھر دفعتاً اس کا تصور یوں اُبھرا جیسے ابھی ابھی وہ انہیں چھوڑ کر نکلے ہیں۔ کاش وہ میرے ساتھ سوار ہو جاتی نہ جانے اب وہ کن پانیوں میں گھری ہوگی۔ وہ کون تھی جو زینے سے اترتے ہوئے سیڑھیوں کے نیچے مجھ سے ٹکرا جاتی تھی۔ سارا منظر آنکھوں کی سامنے پھر گیا۔ وہ ہرنی جیسی آنکھوں والی اپنے لبادے میں دو پکے ہوئے پھل لئے پھرتی تھی اور جب سیڑھیوں اترتے ہوئے اس نے انہیں تھاما تو یوں لگا کہ دو گرم دھڑکتے ہوئے پوٹے والی کبوتریاں اس کی مٹھیوں میں آ گئی ہیں.....'' (اکسفورڈ پرنٹنگ پریس سے طبع کتاب)

(بحوالہ قرطاس ابیض۔ تنظیم اساتذہ پنجاب)

ساتویں جماعت کے طلبہ وطالبات کی سائنس صفحہ 31 پر REPRODUCTIVE OF MAN

" A SEXUAL PRODUCTION,THERE ARE VARIOUS.

METHOD OF SEXUAL PRODUCTION IN DIFFERENT

ORGNISM" (بحوالہ مذکورہ صفحہ 7)

کلاس میں معلم یا معلّمہ معصوم ذہنوں کے سامنے مذکورہ طرز کے اسباق کی وضاحت کس طرح کرتے ہوں گے یا بچے/بچیاں گھر میں والدین یا بہن بھائیوں سے سبق کی وضاحت پوچھیں تو یہ کیسے محسوس ہوگا؟ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ اکسفورڈ اور دوسرے اداروں سے پیچھے نہیں۔ مذکورہ قرطاس ابیض میں ٹھوس شہادتیں موجود ہیں کہ نصاب سے اسلام کو کیسے خارج کیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان ملک کے مسلمان کہلانے والے ماہرین تعلیم نے یہ راہ کیوں اپنائی؟ کیا یہ ان کی اپنی سوچ ہے یا اس سوچ اور ان فیصلوں کے پیچھے کوئی دوسری خارجی قوت ہے جو ہر قیمت پر پاکستان کے نصابِ تعلیم سے اسلام کو خارج کروانے پر اُدھار کھائے بیٹھی ہے؟ ان

سوالوں کا نکھرا ہوا جواب بھی ہمارے سامنے ہے اور اس کے باوجود ہماری آنکھیں بند رہیں تو حب الوطنی اور اسلام دوستی کے ماتم کے سوا چارہ کیا ہے۔ ''محسنین'' کا چہرہ ان اقتباسات میں ملاحظہ فرمائیے:

''پاکستان سمیت تمام مسلم ممالک کے دینی مدارس اور سکولز بنیاد پرستوں اور دہشت گردوں کی آماجگاہ ہیں اور ہمیں ان کے متعلق تشویش ہے اس کے ازالے کے لئے ہم جنرل پرویز مشرف سمیت دیگر ممالک کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔''
(امریکی وزیر خارجہ کولن، بحوالہ ''نوائے وقت'' لاہور)

''جنرل پرویز مشرف دینی مدارس اور سکولز میں جو اصطلاحات متعارف کروا رہے ہیں ہم ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔'' (پشاور یونیورسٹی مین برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا کا خطاب، بحوالہ قرطاس ابیض تنظیم اساتذہ)

''ایک امریکی ادارے'' ایجوکیشن سیکٹر ریفارمز (ایسرا) کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر مسٹر برائن نے اسلام آباد میں بتایا کہ نصاب کی اَپ گریڈیشن کے لئے امریکہ پاکستان کو 60 ملین ڈالر دے گا۔'' (روزنامہ خبریں لاہور)

''امریکہ کے خلاف پاکستان میں بڑھتی ہوئی نفرت کے علاج کے لئے وہاں کی ونڈر فل لیڈی محترمہ زبیدہ جلال وفاقی وزیر تعلیم پاکستان نصاب تعلیم میں تبدیلیاں کر کے اس کا علاج کر رہی ہیں۔'' (نوائے وقت لاہور)

ہم نصاب میں چند روشن خیال تبدیلیاں اور ان تبدیلیوں کے ماسٹر مائنڈ حضرات سے آپ کو متعارف کروا چکے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تبدیلیاں کروانے والے حقیقی ماسٹر مائنڈ حضرات کو ہم نے خوامخواہ درمیان میں گھسیٹ لیا ہے۔ ہم بطور شہادت ان کے اعترافات پیش کرتے ہیں۔

''پاکستان اور بھارت کا نصاب مشترکہ ہونا چاہئے۔'' (جنرل پرویز مشرف انٹرویو ''انڈیا ٹوڈے'' بحوالہ قرطاس ابیض)

''بیالوجی کی کتاب میں قرآنی آیات کا کیا کام؟ اور اگر سیرت سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے کتے کی تصویر آ گئی تو کیا مضائقہ ہے۔'' (زبیدہ جلال کا اسمبلی میں

خطاب، بحوالہ قرطاس ابیض تنظیم اساتذہ)

''برین واشنگ کے لئے وفاقی تعلیمی اداروں سے 200اساتذہ کی امریکہ روانگی۔''

''میری اپوائنمنٹ کہیں اور سے ہوئی ہے آپ مجھے نہیں ہٹا سکتے۔'' (زبیدہ جلال کا لاہور میں خطاب، قرطاس ابیض)

مذکورہ تفصیل سرکاری سطح پر لارڈ میکالے کے ذُرّیت کی تیاری کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ کس طرح کا نصاب تعلیم کس اخلاق و کردار کی حامل نسل تیار کرنے میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ اب اس تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے کہ نئی نسل کے والدین مکمل شعور و آگہی کے ساتھ ''سرکاری سوچ'' کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں۔ والدین کی اس محنت کے دو رخ ہیں، پہلا گھر کے اندر جہاں بچے یا بچی کو پیدائش کے بعد ابتدائی گفتگو میں مادری زبان سے دور رکھتے انگریزی ان کے قلب و ذہن میں اتارنے کی کوشش کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ روشن خیال والد اور والدہ کبھی بچی کو ''ایپل'' کھلاتے ہیں تو کبھی ''بنانا'' اور کبھی ''ہینڈ واش'' کرواتے دیکھے جاتے ہیں۔ جس طرح لندن میں پاکستانی عورت بچے کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی اور کہنے لگی کہ ڈاکٹر صاحب! نہ بچہ ''ایٹا'' ہے نہ ہی ''سلیپتا'' ہے بس ''وپتا'' ہی ''وپتا'' ہے دوائی دے دیجئے۔

یہ روشن خیال کہلوانے کے لئے ہر لمحہ بے چین والدین کا اپنے بچے کے ''بہتر مستقبل'' کی خاطر رویہ ہے اور دیکھا دیکھی یہ رویہ وبا کی صورت اختیار کر رہا ہے، گھر کی اس روشن خیال تربیت میں استحکام و استمرار کی خاطر اولاد کو انگلش میڈیم کا بورڈ آویزاں کیے سکولوں میں بھاری بھرکم فیسوں کے باوجود داخلہ دلایا جاتا ہے اور پھر بھاری بھرکم فیس ہی نہیں کتب، یونیفارم اور آئے دن کے نازنخروں کے اخراجات پورے کرنے کی خاطر اگر بعض ایماندار کولھو کے بیل کی طرح رات گئے تک مزدوری کرتے ہیں دو دو تین تین جگہ کام کرتے ہیں تو ''ایمان کے جھنجھٹ'' میں نہ الجھنے والے ''بالائی آمدنی'' کے راستے پر چل نکلتے ہیں۔ آخرت کی فکر اگر کبھی قلب و ذہن پر دستک بھی دے تو ''بچوں کا مستقبل'' کان دھرنے نہیں دیتا۔

روشن خیال تعلیم و تربیت کے ادارے بورڈ انگلش میڈیم کا لگا لیتے ہیں مگر آٹے میں

نمک ہے جہاں سٹاف رواں انگلش بول سکتا ہے ورنہ ''ہینڈ واش'' کی طرح آدھا تیتر آدھا بٹیر دیکھنے میں آتا ہے۔محض انگریزی میں تحریر کتب پڑھا دینے کا نام انگلش میڈیم نہیں ہے بلکہ انگلش میڈیم تو یہ ہے کہ معلم یا معلّمہ کلاس روم میں داخل ہونے سے لے کر کلاس چھوڑنے تک صرف انگلش ہی میں تمام گفتگو کرے اور شاگرد بھی انگلش ہی میں سوال کریں یا جواب پوچھیں۔سروے کر لیجیے آپ کو کہیں بھی یہ معیار نہ ملے گا۔

روشن خیال نسل پیدا کرنے والوں نے جس نوع کا خوبصورت نصاب تعلیم ترتیب دیا ہے اور اس میں لحہ لحہ جس ''تعمیری'' تبدیلی کے لئے کوشاں ہیں اس کی جھلکی ہم آغاز میں آپ کے سامنے رکھ چکے ہیں ۔کیا ایسے اقدامات ،ایسے ماحول اور ایسے نصاب کے ساتھ قائداعظم کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے۔آج ہمارے کالجز سے یونیورسٹیوں سے جو نسل فارغ ہو رہی ہے وہ امریکہ و یورپ کی خواہشات کی تکمیل تو بجا طور پر کہی جا سکتی ہے۔ لارڈ میکالے کی ذُرّیت ہے مگر اسلام کے ساتھ وابستگی دیکھنے کو نہیں ملتی۔

ایک دُعا — **عابی مکھنوی**

اُٹھا لے زر کی رنگینی فقیری کا ہنر دے دے
عطا کر جان لفظوں کو دعائے میں اثر دے دے
ملائک ہم نے کیا کرنے، ہمیں کوئی بشر دے دے
ترستی ہے یہ دنیا، یا خدا کوئی عمرؓ دے دے

شیخ اکبر m کی ایک اہم تالیف

اور.....بیس پیشین گوئیاں

(بشکریہ، ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی ستمبر/اکتوبر 2013ء)

شیخ اکبر m کا اجمالی تعارف یہ ہے، محی الدین بن عربی (محمد بن علی بن محمد عربی)، مولود 17 رمضان 560ھ/جولائی 1165ء، متوفی 22 ربیع الثانی 638ھ/اکتوبر 1240ء۔

شیخ اکبر m کی ایک اہم تالیف بنام 'ما لابُدَّ قبل القیامة" ہے۔اس کتاب میں شیخ اکبر m نے بیس پیشین گوئیاں تحریر فرمائیں جو قیامت سے قبل وقوع پذیر ہوں گی، ان پیشین گوئیوں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ ساری پیشین گوئیاں حرف بہ حرف پائی جارہی ہیں۔

وہ پیشین گوئیاں مع تبصرہ جات ملاحظہ فرمائیں:

(1) پیشگوئی: اگر تم مشرقی ہو تو تمہارا مغربی حصہ اچھا ہے۔اگر تم مغربی ہو تو مشرقی سمت اچھی ہے۔(یعنی مشرق والے مغرب کو بہتر سمجھیں گے اور مغرب کے لوگ مشرق کو بہتر جانیں گے) تم فاتح ہو تو ذمیوں اور مفتوحوں سے حالت بدتر ہے اور محکوم ہو تو حاکم قابل رشک و حسد بنا ہوا ہے۔تم اس کا مطلب نہیں سمجھتے۔قرب قیامت میں ایسے دن آئیں گے کہ مشرق والے مغرب کی تعریف کریں گے اور ان کی خوبیوں پر فریفتہ ہوں گے اور مغرب والے مشرق کے محاسن پر شیفتہ ہوں گے۔دولت مند مفلسوں کو بہتر سمجھیں گے اور مفلس دولت مندوں کو حسرت سے دیکھیں گے۔غرض ایک دوسرے کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلتے ہوں گے۔لوگ اپنے اندر کی خوشیوں اور خوبیوں کو بھول جائیں گے۔

(2) پیشگوئی: اس دور میں خوشی شراب کے عوض خریدی جائے گی۔ انسان کو قدرے اطمینان وسکون صرف نیند کی نیم بے ہوشی (خواب آور گولیوں کے استعمال) میں میسر آ سکے گا۔

(3) پیشگوئی: اس زمانے میں عورتیں مردوں کے مراتب عقل و ہنر سے بڑھ جائیں گی اور مردوں کی مردانگی فقط رسمی رہ جائے گی۔ (فی الحال کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں خواتین کام نہیں کر رہی ہوں۔)

(4) پیشگوئی: چاندی اور سونے کی قدر گھٹ جائے گی اور لوہے کی قدر بڑھ جائے گی۔ چاندی اور سونے کی ہم شکل دھاتیں نکل آئیں گی اور ان کی اشیاء گھر گھر رواج پائیں گی۔ (جیسے ٹی وی، وی سی آر، فرج، ائیر کنڈیشن، کیمرے، ریڈیو اور موبائل فون وغیرہ)

(5) پیشگوئی: آخرت کے راستوں سے بے پرواہی ہوگئی اور شہروں کے راستے بہت خوبصورت بنائے جائیں گے۔

(6) پیشگوئی: بازاروں میں بیٹھ کر کھانا فخر سمجھا جائے گا (ہوٹلوں میں کھانا)۔ تم کھانا کھانے کے لئے بھی لوہے کے ہاتھ بناؤ گے (لوہے کے چمچے وغیرہ)۔ تمہارے دسترخوان سینے کے پاس چنے جائیں گے (میز پر کھانا)۔

(7) پیشگوئی: لباس دامن بریدہ پہنایا جائے گا اور اس میں اتنی زیادہ قسمیں ہوں گی کہ آج ان کا خیال آنا بھی دشوار ہے۔

(8) پیشگوئی: ماں باپ کی عزت مثل ایک دوست کے ہوگی۔ بیویوں کو سجدہ کیا جائے گا۔ (یعنی ہر کام میں بیویوں کی مکمل اطاعت کی جائے گی۔)

(9) پیشگوئی: مذہب کا نام لے کر حکومت کی جائے گی لیکن صحیح معنوں میں مذہب کی پابندی نہ ہوگی۔

(10) پیشگوئی: استادوں کی حرمت چھن جائے گی۔

(11) پیشگوئی: تمہاری جوتیاں زمین کی پشت ٹھکرانے والی اور چلنے میں تم کو مغرور بنانے والی ہوں گی (بہت قیمتی جوتے) تم جوتیوں کے آگے سر جھکاؤ گے اور عماموں کو پامال کرو گے۔ (جیسے آج کل لوگ سامنے جوتے رکھ کر نماز پڑھتے ہیں اور پگڑی نہیں پہنتے بلکہ ٹوپی بھی

نہیں ہوتی۔)

(12) پیشگوئی: دمشق کے بازاروں میں بھی تم دیکھو گے کہ رات کے وقت سورج سوا نیزے پر نظر آتا ہے۔ یہ سورج جگہ جگہ ہوں گے اور تم کو سہانی روشنی دیں گے مگر اس وقت تمہاری بصارت اور بصیرت میں خلل پڑ جائے گا۔ (جیسا کہ آج کل ہر جگہ بجلی ہے اور مختلف النوع بلبوں اور ٹیوب لائٹوں کی وجہ سے ایسا لگتا ہے جیسا کہ کئی آفتاب وسورج نکل آئے۔)

(13) پیشگوئی: خیرات لینے اور دینے کے لئے نئے نئے ڈھنگ نکل آئیں گے۔ (جیسے مختلف النوع تنظیمیں، رفاہی جماعتیں اور خیراتی ادارے وغیرہ پھر خیرات دے کر کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کر لینا اور اخبارات میں خبر شائع کرنا وغیرہ) نفسانفسی کی پکار ہوگی۔ کوئی کسی کے نیک اور بد سے سروکار نہ رکھے گا۔

(14) پیشگوئی: خدا کے نام کے بغیر کتابیں لکھی جائیں گی۔ (چنانچہ آج کل بہت سے لوگ تالیفات میں بسم اللہ اور خطبہ وغیرہ نہیں لکھتے) تمہارا لکھنا بھی لوہے کا محتاج ہوگا۔ (جیسے پریس وغیرہ) اور تمہاری کتابیں بھی لوہے کی دستکاری سے تیار ہوں گی۔ اس زمانے میں آدمی اپنے خیالات دوسرے ملکوں اور شہروں کے باشندوں کو آن کی آن میں بھیج دیا کریں گے، (موبائل فون اور خلائی سیارے وغیرہ سے)

(15) پیشگوئی: غریب اور مفلس امیروں کی برابری چاہیں گے۔ تم سے دس قسم کی زکوٰۃ (مختلف النوع ٹیکس اور بل) لی جائے گی۔

(16) پیشگوئی: یہی وہ وقت ہوگا جب تلواریں نیاموں سے تڑپ تڑپ کر نکلیں گی (مختلف النوع گولیاں) اور آگ کی بارشیں ہوں گی۔ اس بارش میں آگ کے بھاری بھاری اولے (میزائل، ایٹم بم وغیرہ) ہوں گے جو آدمیوں کو دم بھر میں تباہ و برباد کر دیں گے۔

(17) پیشگوئی: غور سے سنو! ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ ملک شام میں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرو گے۔ (آج کل یہ تو ہر جگہ ہو رہا ہے)

(18) پیشگوئی: تمہاری عورتیں ہتھیار باندھ کر میدان میں جائیں گی، اور اس دن کے ہر باشندے کو جنگ کا بلاوا آئے گا۔ یہ جنگ دین اور ملک کے لئے نہ ہوگی، بلکہ خدا کا قہر ہوگا جو

بندوں پر نازل ہوگا۔ اس دن کسی خون کے قطرے میں عدل و انصاف کی بوند نہ ہوگی۔ اس دن زمین بھی تمہاری لاشوں کو اپنے اندر نہ آنے دے گی۔ وہ بڑا ہولناک زمانہ ہے۔ تم اگر اس زمانے میں موجود ہو تو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو۔ خدا کے حضور سجدے میں گر کر پناہ مانگو۔ خداوند تعالیٰ ہی تم کو اس تباہی و بربادی سے نجات دے سکتا ہے۔ خدا کے نیک بندوں کو اس وقت گھبرانا نہیں چاہئے۔ جو اپنے خالق حقیقی کا دامن تھام لیں گے، ان کو وہ عافیت دے گا۔

(19) پیشگوئی: قیامت سے پہلے ایک وقت ایسا آئے گا کہ عرب قبائل کی طرح جہالت تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ تیل اور خون کی بنا پر لڑائیاں ہوں گی۔ نیک اور عقلمند چاہیں گے کہ یہ بے وقوفی کی ضد ختم ہو جائے۔ وہ ان کے سامنے مساوات اور انسانیت کے خطبے پڑھیں گے۔ مگر ان نیکوکاروں کی کوئی نہیں سنے گا۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں ان قبیلوں اور قوموں کو اس نسلی آگ اور تعصب کی آگ سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ ہم قبیلہ قومیں غیظ و غضب میں گھروں سے نکلیں گی اور ایک دوسرے کا خون پئیں گی۔ یہ آگ دنیا کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب چاروں طرف پھیل جائے گی۔

(20) پیشگوئی: بادشاہوں کے محل سرنگوں ہو جائیں گے۔ دولت مندوں کے گھروں میں فاقہ کشی ہونے لگے گی۔ عورتوں اور بچوں کی لاشیں جنگلوں میں پڑی سڑتی ہوں گی۔ مگر اس جنگ کے بعد تو کوئی شخص بادشاہوں کی بات کو نہ مانے گا اور گھر گھر کی علیحدہ حکومت ہوگی۔

اس کے بعد شیخ اکبر m فرماتے ہیں:

''جب یہ باتیں نمودار ہوں تو سمجھ لو قیامت قریب آ گئی ہے۔ اس وقت تم اپنے گھر میں زیادہ رہا کرو۔ ورنہ تم کو امن اور سکون اطمینان میسر نہ آئے گا۔ خداوند تعالیٰ سے پناہ مانگو، حلال اور نیک کمائی کرو اور کفایت شعاری کو اپنا شعار بناؤ۔''

حکمت بالغہ (اکتوبر 2013ء) کی خصوصی اشاعت

الصَّلٰوۃ و السَّلام علٰی رسولِ اللّٰہ ﷺ

پر

اہل علم کے تاثرات

1۔ ضیاء الرحمٰن چیمہ ٹوبہ ٹیک سنگھ

اکتوبر 2013ء کا حکمت بالغہ ملا، شکریہ۔ آپ نے اس خصوصی اشاعت کا 'حق' ادا کر دیا۔ صلوٰۃ وسلام کے موضوع پر اتنی جان دار تحریر پہلے میری نظر سے نہیں گزری۔ حالانکہ یہ ہمیشہ سے میری دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔

لوگ لکھتے ہیں مگر ادھورا سچ۔ آپ نے پورے سچ سے آگاہ کیا ہے۔ یوں لگا جیسے اندھیرے سے روشنی میں آ گیا ہوں۔ زبان سے درود وسلام تو سب ہی پڑھتے ہیں مگر آپ نے جس وسعت و گہرائی سے آگاہ کیا ہے وہ اس سے پیشتر کہیں نصیب نہیں ہوئی۔ آپ نے کینوس کو بڑی خوب صورتی اور چابک دستی سے درست سمتوں سے وسیع کیا ہے۔

اس تحریر سے جہاں آپ ﷺ سے پیار و محبت کا رشتہ بڑھا ہے وہیں حضور ﷺ کے ایک اُمتی سے (جسے حضور ﷺ سے والہانہ محبت ہے) دوستی کچھ اور گہری محسوس ہونے لگی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا یہ رشتہ جو صرف ایمان کی بنیاد پر ہے مزید بڑھے گا۔

یہ ایک مستقل دستاویز ہے۔ اسے جلد کتاب کی صورت میں ڈھلنا چاہئے۔ نام اگر مختصر ہو جیسے "صَلُّوا عَلَیہِ وَ اٰلِہٖ" تو زیادہ موزوں لگے گا۔ کتاب کے آخر میں اعراب و معانی کے ساتھ مستند درود وسلام بھی درج ہو جائیں تو بہتوں کا بھلا ہوگا۔ جہاں کہیں فارسی کے اشعار ہیں ان کا ترجمہ ضرور ہونا چاہئے۔ اب فارسی جاننے والے خال خال ہی ملتے ہیں۔ دُعا گو ہوں اللہ تعالیٰ

آپ کی یہ مساعی قبول فرمائیں۔

2۔ **حافظ مختار احمد گوندل**، سابق ڈپٹی چیف لائبریرین، جامعہ پنجاب، لاہور

عصر حاضر میں اسلامی رسائل و جرائد احیائے اسلام اور امت مسلمہ کی نشأۃ ثانیہ میں پیش رو کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ زیر تبصرہ ماہنامہ حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت ''**الصلوٰۃ و السلام علی رسول اللہ** ﷺ'' شمع رسالت کے پروانوں کے لیے نوید جانفزاء ہے۔ یہ خصوصی اشاعت درود وسلام کے آداب وفضائل، بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات اور اہل علم کی چند دیگر تحریروں سے مزین ہے۔ تعمیر سیرت کے لیے مدحت نبی ﷺ ہمارے اسلاف کی شیوہ رہا ہے۔ اور درود وسلام وہ وظیفہ باری تعالیٰ ہے جو عالمِ ملکوت وناسوت میں ازل سے جاری وساری ہے۔ قربِ الٰہی کا پہلا زینہ اور وصلِ حبیب ﷺ کا یہی قرینہ ہے۔

بخشائیں گے ان سب کو محشر میں مرے آقا
بھیجی ہیں درودوں کی جس جس نے بھی سوغاتیں

زیر تبصرہ خصوصی شمارہ میں علامہ ابن القیم الجوزی کی تالیف ''جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام ﷺ'' کے ایک باب کی تلخیص کشتگانِ عشق نبی ﷺ کے لیے خصوصی طور پر قابل مطالعہ ہے۔ سیرت پر اسلامی رسائل کے خصوصی شماروں کی فہرست تو خاصی طویل ہے تاہم ''**الصلوٰۃ و السلام علی رسول اللہ** ﷺ'' ایسے ذیلی عناوین پر خصوصی اشاعتیں قلیل تعداد میں ہیں۔

ماہنامہ حکمت بالغہ کا یہ خصوصی اعزاز ہے کہ اُس نے مبعوثِ دوجہاں ﷺ کی وارفتگی کی تحریک میں بھرپور طور پر اپنا کردار ادا کیا ہے جو دیگر اسلامی رسائل و جرائد کے لیے بھی مشعل راہ ہے۔ ایمانی حلاوتوں سے معطر گوشۂ درود وسلام کی اشاعت پر اربابِ قرآن اکیڈمی جھنگ قابل صد تحسین وتبریک ہیں۔

3۔ **سیّد مزمل حسین** ڈپٹی ڈائریکٹر (ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی) انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

آپ کا پرچہ گزشتہ چند ماہ سے زیر مطالعہ آتا رہتا ہے۔ مبارک باد قبول فرمائیں کہ آپ سنجیدہ صحافت کے ذریعے دینی اقدار کو فروغ دے رہے ہیں۔ ''الصلوٰۃ والسلام نمبر'' تو

معرکے کی چیز تھی۔ بڑا اور بھرپور نمبر تھا بہت مفید معلومات ملیں، اُس نمبر کے بعد نومبر کا شمارہ بھی اچھی معلومات لئے ہوئے ہے، بہرحال آپ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین

4۔ عمر دراز قریشی (لاہور)

اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن۔ اصلاً یہ ارادۂ خداوندی تھا کہ وہ ہمارے مشفق و مربی و سرپرست جناب انجینئر مختار حسین فاروقی کے ہاتھ ایک ایسی ANTHOLOGY اور گلدستۂ نعت مرتب کروا دے جو ہمہ پہلو محیط ہو۔ ہر مسلمان بالخصوص اُردو دان کو زندگی میں ایک یہ نعت پڑھنے کا موقع ملنا چاہئے۔ میری تجویز ہے کہ حک و اضافہ امثلہ و حکایات مشتمل بہ نتائج و برکات کے ساتھ اسے صورتِ کتابی دے دی جائے اور اس موضوع پر تمام انسانوں کے کم از کم 1000 OPINION LEADERS کی آراء بھی مجوزہ کتاب میں شامل ہوں۔ کیونکہ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ جستہ جستہ جب ہم اس حسین مرقع پر نظر ڈالتے ہیں تو گمان ہوتا ہے کہ ہم واقعتاً تحدیث نعمت کی جنت میں داخل ہیں۔ 164 صفحات پر مبنی زیر مطالعہ کتاب کے مشتملات میں ٹائٹل پیج پر موجود حدیث پاک سے لے کر خواجہ نظام الدین کے بزبانِ فارسی نذرانۂ عقیدت بحضور سرورِ کونین ﷺ تک کونسا صفحہ ہے جو تنوع کا حامل اور قابل مدح و ستائش نہیں۔ حکمت بالغہ کی یہ خصوصی اشاعت جسے درود و سلام نمبر کہنا برمحل ہوگا بمصداق حدیث ترمذی سب دانائی کی باتیں ہیں! مؤمن کے لئے مؤمن کا حق' مؤمن کی ملکیت۔ موضوعاتی ترتیب کے ہشت پہلو مدیر موصوف کی بصیرت و زیرکی کے غماز ہیں۔ آغاز ہی آیاتِ قرآنی، ذخیرہ احادیث، حرفِ آرزو اور باب اوّل موسوم بہ تمہید میں مصنف و مرتب نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے۔ کفر کے اندھیروں کی دنیا میں طعن و تشنیع اور دشنام طرازی کے جہان میں عظمت مصطفیٰ ﷺ کا دیپ روشن کر دیا ہے بقول ناصر کاظمی ؎

ہم دیے لے کے چل دیئے ناصر کب اندھیروں سے ہار مانی ہے

باب نمبر 4 علامہ ابن قیم جوزی m کی بے نظیر کتاب جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر الانام کی تخلیص ہے جس میں درود شریف پڑھنے کے 40 محل و مقامات دیے گئے

ہیں یہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کرنا ہے ہر مسلمان کے لئے اس کا مطالعہ ضروری تھا فدوی کے لئے بھی محترم فاروقی صاحب نے اس کو محفوظ، قابل مطالعہ، قابل رسائی اور عام فہم بنا کر ہم جیسوں پر احسان کیا ہے۔

باب نمبر 5 معنون بہ ''رسولِ رحمت ﷺ کی رحمت للعالمینی کی پھوار اُمت پر'' باعتبار حجم تقریباً دو تہائی حصہ کتاب کا احصا کرتا ہے۔ یہیں سے یہ کتاب توازن کے خاصہ کی حامل نظر آتی ہے افراط و تفریط فکری اور جہانِ ابہام و تشکیک کا گویا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ حصہ اوّل سورۂ احزاب آیت نمبر 36 کے شانِ نزول، زمانہ غزوۂ خندق کی بڑی وقیع بحث اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

حصہ دوم احزاب آیت نمبر 43 میں اللہ عزوجل کے اہل ایمان پر درود رحمت اور بے کراں احسانات کے ضمن میں ''یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ'' کے تقاضے اور مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّورِ میں وحی الٰہی کو نور ثابت کیا گیا ہے جو کہ تورات اور انجیل میں بھی تھا لیکن اب قرآن مجید ہی قیامت تک کے لئے نور ہے۔

حصہ سوم میں کمال مہارت اور حسن تدبیر سے نورِ وحی کی سمت سفر کے لئے ظاہری و باطنی طہارت، دلوں کی پاکیزگی کو شرفِ اوّلین اور ناگزیر قرار دیا گیا۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ۔ تطہیر یعنی اے پیغمبر ﷺ کے گھر والو اللہ چاہتا ہے تم سے ناپاکی کا میل کچیل دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔ کیونکہ نبی ﷺ کے گھر والوں کے نورِ وحی لینا ہے اور آگے اُمت کو دینا ہے۔ گویا اللہ نے ارادہ کیا اُن کو مطہر و مزکی و مصفی کرنے کا۔ سورۂ احزاب میں یہ بھی وارد ہے ''آپ سب خواتین (اُمہات المومنین) کے گھروں میں جو اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اُن کو یاد رکھو۔'' یعنی نور اور پاکیزگی لازم و ملزوم ٹھہرے۔

حصہ چہارم گویا اس ریسرچ ورک کے لئے اتمامِ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں قاری کو دقاقت نظر سے سلام کا مفہوم اور تسلیم کا مفہوم اور ان کے باہمی فرق و مماثلت کو حفظ اور ازبر کر لینا احقر کی دانست میں حوائج ضروریہ سے ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے اصلاً یہ دینُ اللہ ہے اور ہدیتاً یہ دین محمدی ﷺ ہے۔ ہمیں اپنی زندگی پر از سرِ نو غور کرنا ہوگا۔ صحابہ کرام j قولی درود شریف بھی پڑھتے تھے۔ درود پر ہمارے سب اسلاف تابعین تبع تابعین قائم و دائم تھے۔ لیکن اُنہوں نے تسلیم

کی خوڈالی ہوئی تھی جو کہ فی زمانہ اُمت مسلم سے جزوی یا کلی عنقا ہو چکی ہے۔اس حصہ میں منافقین زمانۂ نبوی کی باغیانہ روش اور عدمِ اطاعت اور ذمہ داری سے فرار اور سازشوں عیاری و مکاری تیزی طراری کا ذکر ہے۔زبان سے درود وہ بھی پڑھتے تھے لیکن فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّار ہیں۔

آیئے ہم سب اہل ایمان اپنے رویوں پر نظر ثانی کریں اور محمد ﷺ کے نام اور سیرت دونوں کو ساری دنیا میں چمکا دیں۔

کتاب کے دیگر مندرجات میں دُعائے تشہد (بخاری و مسلم) میں اصلاً نبی ﷺ نے تمام انبیاء f اور تمام نیک غیر انبیاء کے لئے اللہ کے حضور سلامتی کی دُعا فرمائی ہے۔آیت نمبر 43 سورۂ احزاب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا درود رحمت مطلق نہیں بلکہ CONDITIONAL ہے۔سورۃ النساء آیت نمبر 65 میں موجود يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے الفاظ دیگر مواقع کی طرح اپنا خصوصی سیاق و سباق رکھتے ہیں۔یہ ایسے ہی ہے جیسے ''ظن'' کا ترجمہ محل و موقع اور سیاق و سباق کے حوالہ سے کیا جاتا ہے۔سورۃ النساء آیت نمبر 94 اُمت مسلمہ کے تکفیری عناصر کے لئے لمحہ فکریہ اور برہان قاطع ہے یعنی جو آپ کو سلام کرے اُسے کافر نہ کہو۔لفظ بارگاہ محل نظر ہے جیسے امام بارگاہ وغیرہ۔

درود پاک اللہ تعالیٰ کے ساتھ سراسر فائدے والی تجارت بھی ہے، گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی بھی۔اُمت محمدی کو کثرتِ درود پر اُبھارنا اور اکسانا بھی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرنٹ لائن پر آ کر اُبھار رہا ہے گویا یہ عادت خداوندی ہے۔

اَلْبَخِيْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَیَّ

اور مَنْ نَسِیَ الصَّلَاةَ عَلَیَّ خَطِیَ طَرِيْقَ الْجَنَّة

نبی کریم ﷺ نے اشارۃً اُس شخص سے بیزاری کا اظہار کیا ہے جو آپ کا ذکر آنے پر درود نہیں پڑھتا۔نیچے والی حدیث کے مفہوم کے مطابق اُس سے جنت کا راستہ ہی گم گیا۔

درود شریف پڑھنا ایک بہت بڑی اور ہمہ گیر عبادت ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور تا قیامت اُمت کا تعامل۔ ؎

خدا کا ذکر کرے ذکر مصطفیٰ نہ کرے منہ میں ہو ایسی زباں خدا نہ کرے

اُمتی پر کوئی طریق واضح نہیں رحمت عالم کے احسان پر اظہارِ تشکر کا بجز درود پاک

کے۔صلوٰۃ حاجت کے پہلو بہ پہلو ہمیں تو اور کوئی فعل مسلمان کا نظر نہیں آتا اپنی وسعت کے اعتبار سے ماسوائے درود بر محمد وآلِ محمد کے۔ کہ اس میں اہل قبلہ کا کامل اتفاق ہے۔ یہ فعل اُمت کے اتحاد کی سبیل بھی ہے اور مظہر بھی یہ نبی رحمت کی محنتوں کا ثمر گہر بار بھی ہے اور خدا کی طرف سے اظہارِ تحسین بھی کہ ع میرا پیمبر عظیم تر ہے ۔

اُمت کے سارے اعمال وافعال ایک طرف اور نبی ﷺ پر درود ایک طرف۔ اُمت کی گاڑی چلتی ہی درود سے ہے۔ درود کے بغیر اُمت اُمت نہیں رہتی ہجوم ہو جاتا ہے۔ درود چھوڑنا ایسے ہی ہے جیسے نماز چھوڑنا وعیدوں کی تفصیل وتشریح موجود ہے۔ایک مقام پر آ کر نماز بھی COUNTABLE/ LIMITED ہو جاتی ہے لیکن درود کی کوئی مقدار نہیں UNLIMITED ہے۔ یہ خدا کے ذکر کی طرح بے کراں عبادت ہے۔ کسی بھی دُعا کی قبولیت کی شرطِ اوّلین ہے۔ گویا درود کے بغیر خدا سے بات ہی ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نماز (فرض وواجب یا کسی بھی نفل)، قنوت وخطبات یا بعد از اذان، دخول مسجد، دخول بیت، مجلسی زندگی ہو یا تخلیہ، مناسک حج ہوں یا پڑھا ہی درود جائے۔ درود مسلمانوں کی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ درود پاک کا نظام چلانا اصلاً فعل خداوندی ہے، جو ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے لئے فریضہ رسالت کی ادائیگی پر بشمول متعدد اُجور ایک بہت بڑا اجر ہے۔ کسی اُمتی کے گمان میں بھی نہیں اور نہ اُس کے شایانِ شان ہے کہ وہ اس خدائی سسٹم اور پروٹوکول میں خلل ڈالے یا رخنہ اندازی کرے۔ درود پاک کفار کا منہ توڑ جواب بھی ہے اور لفظ محمد کی سب سے مفصل تفسیر وتوضیح وتشریح بھی۔

فاروقی صاحب سے پرزور گزارش ہے کہ وہ اچھی تقطیع اور نسبتاً بہتر ترجمہ کے ساتھ قصیدہ بردہ شریف مکمل شائع کریں بلکہ اس کتاب کا حصہ بنا دیں۔ بقول حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ؎

بمصطفٰےؐ برساں خویش کہ دیں ہمہ اُوست اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

5۔ مولانا غلام اللہ خان حقانی (مہتمم دارالعلوم والحکمۃ تحصیل اویزائے ضلع دیر پائین)

حکمت بالغہ کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ پرچہ فکر ونظر کو بالغ کرنے کا اکسیر نسخہ ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر جو جامعیت پرچہ کے خصوصی اشاعتوں میں دیکھنے کو ملی ہے، جس

میں زیر بحث عنوان کی جملہ مالہ و ماعلیہ کی ادائیگی کا حق آپ اور آپ کے رفقاء ادا کر رہے ہیں، قابل صد ستائش اور لائق تحسین ہے۔ اس روایت کو حکمت بالغہ نے پچھلے ماہ کی خصوصی اشاعت ''الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ'' میں بھی برقرار رکھا ہے۔

.....گویا کہ درود وسلام نتیجہ ہے عشق مصطفیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ لیکن اس ترانہ عشق مصطفیٰ ﷺ میں اُمت مسلمہ افراط وتفریط کا شکار ہے اور اس معاملہ وہ جس ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کر رہی ہے، حکمت بالغہ کی یہ خصوصی اشاعت اس بیماری کا شافی علاج ہے بلکہ عشق مصطفیٰ ﷺ کے اظہار کے اس ترانے میں جس بالغ نظری کی ضرورت ہے، حکمت بالغہ کی اس خصوصی اشاعت نے اس کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کی ہے۔ اس لیے کہ اس معاملہ میں اُمت مسلمہ یا تو افراط کا شکار ہے اور یا تفریط کا۔ پھر ضدم ضدا میں ایک طبقہ عشق مصطفیٰ ﷺ میں وہ جولانیاں طبع دکھاتا ہے اور صوفی پشمینہ پوش حال مست کی سی کیفیت لئے جنون اور دیوانگی کا مظاہرہ کر رہی ہے جس میں ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت کے جو آداب ولحاظات ہیں اُن کا خون ہو جاتا ہے اور دوسری طرح اس میں اتباعِ مصطفیٰ ﷺ کی اصل روح غارت ہو جاتی ہے جبکہ دوسرا طبقہ اس ترانۂ عشق میں وہ غفلت بھرت رہا ہے جس کے بغیر نہ ایمان کامل ہوسکتا ہے اور نہ دین۔

میری نگاہ میں اس اشاعت خصوصی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے درود و سلام کے جملہ پہلوؤں کا مؤثر احاطہ اس انداز سے کیا ہے کہ عشق مصطفیٰ ﷺ کے رُخ روشن پر جو دبیز پردے پڑے تھے یا اس معاملے میں جو خط مستقیم افراط وتفریط کی پگڈنڈیوں پر چلنے والوں کے گرد وغبار سے گم ہو چکا تھا وہ خط مستقیم اب واضح اور نمایاں ہوا ہے اور اب بھٹکے ہوئے مسافروں اور سفر سے بددل مسافر دونوں کے لیے اس خط مستقیم پر چلنا آسان ہو گیا ہے اور اس کا سہرا آپ اور آپ کی ٹیم کے سر بندھتا ہے۔ اللہ آپ کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور ہم سب کے لیے اپنی رضا کا سبب بنائے۔ آمین ثم آمین

جنگ اور جہاد میں فرق

فقیر سعید بن وحید صاحب (مبلغ اسلام)

بظاہر مماثل ہیں جنگ و جہاد — مگر ایک اصلاح ہے، ایک فساد
وہاں نفس بندہ ہے شیطان کا — یہاں قلب ہے عرش رحمٰن کا
وہ طاقت کے بھرّے پہ غلبہ کی فکر — یہ ہے دین کی فتح و نصرت کا ذکر
ہے غرہ اُدھر ساز و سامان پر — بھروسہ اِدھر فضل رحمٰن پر
وہ جیتے تو ظالم، مرے تو پلید — یہ ماریں تو غازی، مرے تو شہید
اُدھر لاؤ لشکر پہ سارا بھرم — اِدھر زور تقوے پہ، اسباب کم
کہ جب حق پہ باطل کی یلغار ہو — تو اللہ کی نصرت کا اظہار ہو
دکھائے خدا نے سدا معجزات — دکھائے گا اب بھی خدا معجزات
خدا وہ خدا، جو تھا موسیٰ ؑ کے ساتھ — خدا وہ خدا جو تھا عیسیٰ ؑ کے ساتھ
وہ اللہ ناصر تھا جو بدر میں — کیے جس نے وعدے شب قدر میں
وہ اللہ اب بھی ہے مومن کے ساتھ — کوئی اس کی جانب بڑھائے تو ہاتھ
وہ حامی فقط متقی کا مگر — نہیں فاسقوں کی دُعا کارگر
جو ایمان و اعمال میں ہو تضاد — وہ ظالم ہمیشہ رہے نامراد
کریں سربراہانِ اسلام غور — کہ آیا قیامِ خلافت کا دور
وہ فرماں روا دین کے کام کا — جو داعی بنے حق کے پیغام کا
جو اپنائے قانون قرآن کو — عمل سے جلا دے جو ایمان کو
کرائے جو اللہ کی بندگی — کہ بے بندی زندگی، گندگی
مقامِ خلافت پہ ہو سرفراز — جو ہو متقی، باعمل، حق نواز

ماخوذ از: سہ ماہی ''دیندار'' کراچی (یکم اکتوبر تا 31 دسمبر 2013ء)

فرمودۂ اقبال

ابلیس کی مجلس شوریٰ

جانتا ہوں میں یہ اُمت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
اَلحذر آئین پیغمبرؐ سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن ، مرد آزما ، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں ، نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف
مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب!
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خودمومن ہے محرومِ یقیں!
ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے
یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

قرآن مجید کی رہنمائی میں صہیونیت سے روشناسی کے لیے

انجینئر مختار فاروقی

مدیر مسئول حکمت بالغہ

کے قلم سے سلسلہ وار مضامین

حکمت بالغہ اگست 2010 تا جولائی 2012ء

شائع ہو چکے ہیں اور اب یہ مضامین

کتابی صورت میں زیر طبع ہیں

صہیونیت

قرآن مجید کے آئینے میں

ان شاءاللہ جلد دستیاب ہوگی 300 سے زائد صفحات

☆ صہیونیت کے خدوخال ☆صہیونیت 600 ق م سے 610ء تک

☆ صہیونیت کی قتل انبیاء کی روش اور انکارِ ختم نبوت ☆صہیونیت کا منطقی انجام

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

047-7630861